Regd.# MC-1366

• جلد 11 / • شمارہ 03 / • ستمبر / 2021

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

ایمان کی فتح

کامیابی کے سنہری اصول

لائے کوئی مثال میرے انتخاب کی!

اجالے کا پیغام

اللہ کی محبت

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

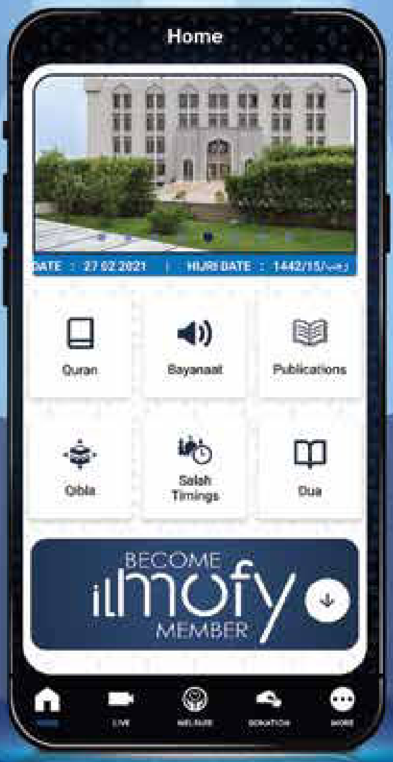

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو ، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

• تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
• شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
• حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
• اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
• بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
• اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی
اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust baitussalamwelfaretrust Baitussalam
baitussalam_org 923162881088 Baitussalam_Org

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

ستمبر 2021

فہم وفکر

ایمان کی فتح — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05

فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06

آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

علمی سفر کے لیے زادِ راہ — حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ — 10

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا — ندا اختر — 11

مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 14

اللہ کی محبت — بنت ایوب مریم — 16

اعصابی امراض — حکیم شمیم احمد — 17

خواتینِ اسلام

تیری راہ میں — زینب گوہر — 20

لا — ماویم — 21

لائے کوئی مثال — ام نسیبہ — 22

تاریخی فتح کا سبق — آسیہ عمران — 23

جنت کا سودا — نادیہ شعیب — 24

غور کیجیے — ام ایمن — 25

قربانی رائیگاں نہیں جاتی — عمارہ فہیم — 26

سجدہ شکر — ثناء وقار — 29

بلاعنوان — آمنہ بخاری — 31

باغیچہ اطفال

ابابیل کا پیغام — ام محمد عبد اللہ — 34

قصے قائد کے — فروا اشتاق — 36

ابابیل — فوزیہ خلیل — 38

پانی کی نعمت — بنت مسعود — 39

میری دال واپس کردو — ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی — 39

بچوں کے فن پارے — 40

انعامات ہی انعامات — 41

بزمِ ادب

بے قراریاں عبث — جویریہ عباد — 42

حمد — انجم توصیف — 43

گلدستہ — 44

اخبار السلام

بچوں کی خوشی دوبالا — خالد معین — 46

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء و تجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@baitussalam.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ فیس : 520 روپے

بیرونِ ملک بدلِ اشتراک : 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

ایمان کی فتح

مدیر کے قلم سے

"دُنیا" حیران ہو تو سمجھ میں آتا ہے، مسلمان بھی حیران ہوں تو سمجھ نہیں آتا، اس لیے کہ آج کی سائنسی دُنیا غیبی نظام کو کیا جانے، خدائی مدد کو کیا سمجھے، اسے تو سائنس کی بھول بھلیوں نے اسی دنیا میں گم کرکے رکھ دیا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ۔۔۔ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

خدا کا منکر تو اس کائنات کا ملازم کہ دن رات، مہ و سال اسی پر فریفتہ، اسی پر بھروسا، اسی میں مقابلہ بازی، جبکہ اسلام کی تعلیمات میں اس کائنات کا مخدوم بس ایک ہے اور وہ خدا کا ماننے والا مسلمان ہے۔

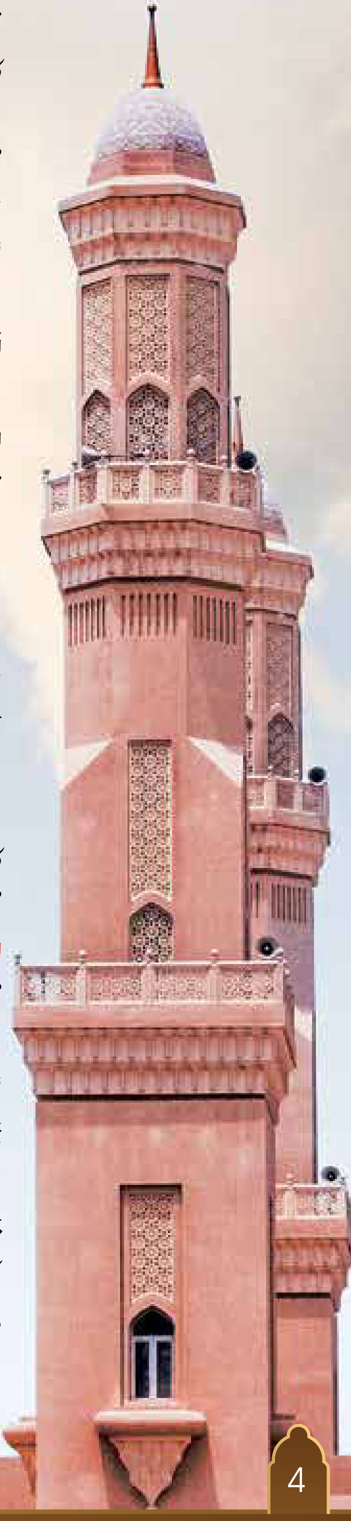

"دُنیا" حیران ہو تو سمجھ میں آتا ہے، مسلمان بھی حیران ہو تو سمجھ نہیں آتا۔ اس لیے کہ مسلمان تو ایسی فتح چودہ سو سال پہلے دیکھ چکا ہے، جب مسلمانوں نے دو سپر طاقتوں کو شکست دی تھی ایک روم کی طاقت تھی، جو یورپ کے پلڑے میں تھی اور دوسری کسریٰ کی طاقت تھی، جو خراسان اور فارس میں تھی۔ آج بھی دُنیا انھی دو پلڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک روس کی طاقت تھی، جو فارس اور ایران کی طرح ہمارے آس پاس میں تھی اور دوسری امریکا کی طاقت ہے جو روم کی طرح دنیا کے دوسرے کنارے میں تھی۔ اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جنگ قادسیہ میں کسریٰ کو شکست دی اور آج کے نہتے مسلمانوں نے بھی آج کی سپر طاقتوں کے لیے افغانستان کو ایک ڈراؤنا خواب اور سلطنتوں کا قبرستان بنا دیا ہے۔ اسی کو اقبالؒ نے اپنی کتاب "پیامِ مشرق" میں یوں کہا ہے کہ:

افغان باقی، کہسار باقی ۔۔۔ الحکم للہ، الملک للہ

"دُنیا" حیران ہو تو سمجھ میں آتا ہے، مسلمان بھی حیران ہو تو سمجھ نہیں آتا۔ اللہ کی نصرت کو تو یہ غیر مسلم کیا سمجھیں، لیکن اگر دُنیا کے کسی خطے میں اسلام نافذ ہوگیا تو اسلام کی ثمرات دُنیا بھر کو کھلی آنکھوں نظر آئیں گے۔ تین سو نیوز چینل کیمرے اور دوربینیں لگائے بیٹھے تھے کہ کوئی وحشیانہ پیغام دُنیا کو سنانے کا موقع ملے گا، درندگی ہوگی، خوف وہراس ہوگا۔ کسی کو خاطر میں نہ لانے والی فاتحانہ بادشاہت ہوگی، لیکن یہ کیا؟؟؟ عام معافی کا اعلان۔۔۔ مکمل امن۔۔۔ دیگر ملکوں اور قوموں کے ساتھ مل کر چلنے کا عزم۔۔۔ حیرانی ہی حیرانی ہے۔ عرب کے تپتے صحراؤں میں بسنے والوں کی طرح یہ آج چودہ سو سال بعد سنگلاخ چٹانوں میں بسنے والے، دُنیا کی نظر میں گنوار لوگ آج اتنے تربیت یافتہ کیسے ہوگئے!!! اس کی ایک وجہ اقبال برسوں پہلے بتا کر گئے تھے، ہم نے بھی بس پڑھی تھی کہ:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مگر عملی طور پر ابھی دیکھنے کو ملا کہ صرف ایک خدا اور ایک رسول کو ماننے سے حوصلہ اور جذبہ اور ایمانی کیفیت یوں آسمان کو چھونے لگتی ہے کہ پھر دُنیا کی ٹیکنالوجی اسے مرعوب نہیں کر سکتی۔ پھر اقبالؒ یاد آ گئے، کیا خوب کہہ گئے تھے کہ:

محمد کی غلامی ہے سَنَدِ آزاد ہونے کی ۔۔۔ خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
محمد کی محبت آنِ ملّت شانِ ملّت ہے ۔۔۔ محمد کی محبت روحِ ملّت جانِ ملّت ہے

یہی جذبہ تھا ان مردانِ غیرت مندوں پر طاری
دِکھائی جن کے ہاتھوں حق نے باطل کو نگوں ساری

قارئین گرامی! جنگ کے دھوئیں میں "امریکا کی شکست" ہی ابھی تک دُنیا سمجھ سکی ہے، لیکن اسلام کے ثمرات کیا ہیں؟ یہ اکیسویں صدی کی دُنیا کو ابھی امن کی حالت میں نظر آئیں گے۔ اسلامی اخوت کیا ہوتی ہے! عراق، افغانستان، برما میں مولی گاجر کی طرح مسلمانوں کو کاٹنے والے درندے اب جانیں گے کہ دشمن کے لیے عام معافی کا اعلان اسلام کا کیسا حسین تحفہ ہے! دُنیا بھر میں اسلامی حدود کا راگ الاپ کر اسلام کو بدنام کرنے والوں کو اب پتا چلے گا کہ صرف "اسلامی حدود" کے نام سے ہی کیسے دُنیا میں امن قائم ہو جاتا ہے! اسلام نے "فتح مبین" صلح حدیبیہ کے اسی معاہدے کو ہی قرار دیا تھا، جس کے بعد حالتِ امن میں "پروپیگنڈے کے شکار" لوگوں کو اسلام کی حقیقی تصویر قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اب پھر آج کی دُنیا کے سامنے "اسلام کی حقیقی اور عملی تصویر" نظر آنے کو ہے، بارود کی تان ٹوٹی ہے تو اس کی وجہ سے دُنیا پر چھایا خوف وہراس کا سحر بھی ٹوٹے گا۔ اسلامی جدوجہد پہلے مرحلے میں سرخ رُو ہو کر دوسرے مرحلے میں داخل ہونے کو ہے۔ یہ گولہ وبارود اور آگ برسانے کا مرحلہ نہیں، بلکہ سراپا صبر، انتہائی تحمل اور اسلام کی چلتی پھرتی قابلِ قبول حسین شکل دکھانے کی ہے۔ اور یہ وقت کے فرعونوں کو کبھی ٹھنڈے پیٹوں ہضم نہیں ہوگا۔ اب پروپیگنڈا ہوگا اور کردار کشی ہوگی اور ہمارے کرنے کا کام بس ایک ہے کہ سوشل میڈیا کو اس پروپیگنڈا مہم میں دشمن کا ہتھیار سمجھیں اور ان جانے میں کسی میسج کو فارورڈ کرکے اس کا آلہ کار نہ بنیں۔ خدا کے حضور سجدۂ شکر بجا لائیں اور امن اور استحکام کے لیے دعا کرتے رہیں، اس لیے کہ اس وقت دُنیا کو اسی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

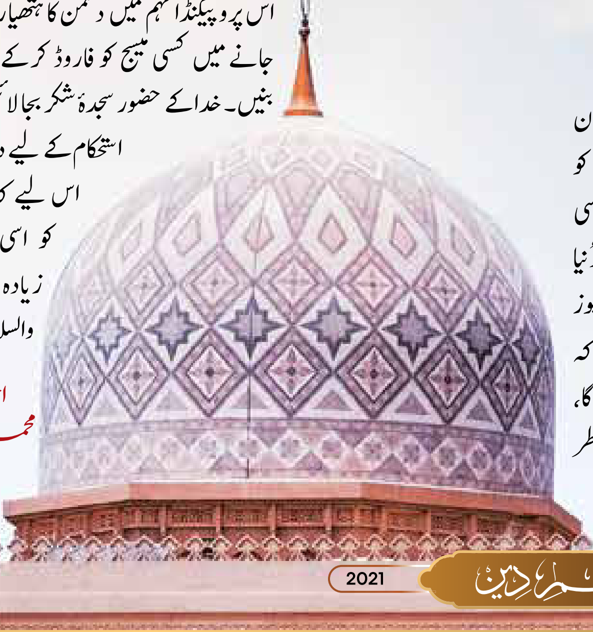

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

النساء 92-94

فہمِ قرآن

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً
مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا 92

ترجمہ: کسی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے، الّا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور دیت (یعنی خون بہا) مقتول کے وارثوں کو پہنچائے، الّا یہ کہ وہ معاف کر دیں اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، جو تمہاری دشمن ہے، مگر وہ خود مسلمان ہو تو بس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا فرض ہے، (خون بہا دینا واجب نہیں) اور اگر مقتول اُن لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں، مگر) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے تو بھی یہ فرض ہے کہ خون بہا اس کے وارثوں تک پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے۔ ہاں! اگر کسی کے پاس غلام نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے۔ یہ توبہ کا طریقہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ 92

تشریح نمبر 1: غلطی سے قتل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ یا تو بے خیالی میں گولی چل گئی یا مارنا تو کسی جانور کو تھا، لیکن نشانہ خطا ہونے کی وجہ سے کوئی انسان مر گیا۔ اس کو اصطلاح میں "قتلِ خطا" کہتے ہیں۔ اس کا حکم آیت نے بتایا ہے کہ ایک تو قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور ایک دیت کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دیت کی مقدار احادیث میں سو اُونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دِینار مقرر کی گئی ہے۔

تشریح نمبر 2: اس سے مراد وہ مسلمان ہے جو دارالحرب میں رہتا ہو، اگر اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ واجب ہے، دیت واجب نہیں ہے۔

تشریح نمبر 3: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے جو مسلم ریاست کا شہری بن کر امن سے رہتا ہو (جسے اصطلاح میں "ذمی" کہتے ہیں) تو اس میں بھی دیت اور کفارہ اسی طرح واجب ہیں، جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر واجب ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا 93

ترجمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔ 93

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ
السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ
كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا 94

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ "تم مؤمن نہیں ہو" کیوں کہ اللہ کے پاس مالِ غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر فضل کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ 94

تشریح نمبر 4: اللہ کے راستے میں سفر کرنے سے مراد جہاد کے لیے سفر کرنا ہے۔ ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ ایک جہاد کے دوران کچھ غیر مسلموں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام کیا۔ صحابہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے سلام کیا ہے اور حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے، چناں چہ انھوں نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اسلام لائے اور اسلام کے تمام ضروری عقائد کا اقرار کرلے تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے اور اس کے دل کا حال اللہ پر چھوڑیں گے، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کھلے کھلے کفریہ عقائد رکھتا ہو تو صرف "السلام علیکم" کہہ دینے کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

تشریح نمبر 5: یعنی شروع میں تم بھی غیر مسلم ہی تھے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تم مسلمان ہوئے، مگر تمہارے زبانی اقرار کے سوا تمہارے سچا مسلمان ہونے کی کوئی اور دلیل نہیں تھی، تمہارے ظاہری اقرار ہی کی بنا پر تمہیں مسلمان مانا گیا۔

فہمِ حدیث

ایمان کے آثار و ثمرات

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ذَاقَ طُعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور اِس کی لذّت اُسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذّت ہوتی ہے، جس کو صرف وہی آدمی پاسکتا ہے، جس کی قوّتِ ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو، اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذّت اور حلاوت ہے، لیکن وہ اُن ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے، جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو اور اللہ کی بندگی اور حضرت محمد ﷺ کی اطاعت اور طریقۂ اسلام کی پیروی کو اُن کے دل نے اپنالیا ہو، یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ اُن کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو، بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو، اسی حدیث میں "رضا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذّت و حلاوت میں بھی اس کا کوئی حصّہ نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ و رسول کی محبت اُس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اُس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لیے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو، جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے، جو اللہ و رسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اس کو اللہ و رسول ﷺ کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلّط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لیے اور اللہ کا دین اسلام اس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لیے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

ایمان میں خرابی ڈالنے والے اخلاق

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلًا)

ترجمہ: حضرت صفوان بن سُلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: "کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے)" پھر عرض کیا گیا: "کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے)" پھر عرض کیا گیا: "کیا مسلمان کذّاب ہو سکتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بے باکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہو سکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا)۔"

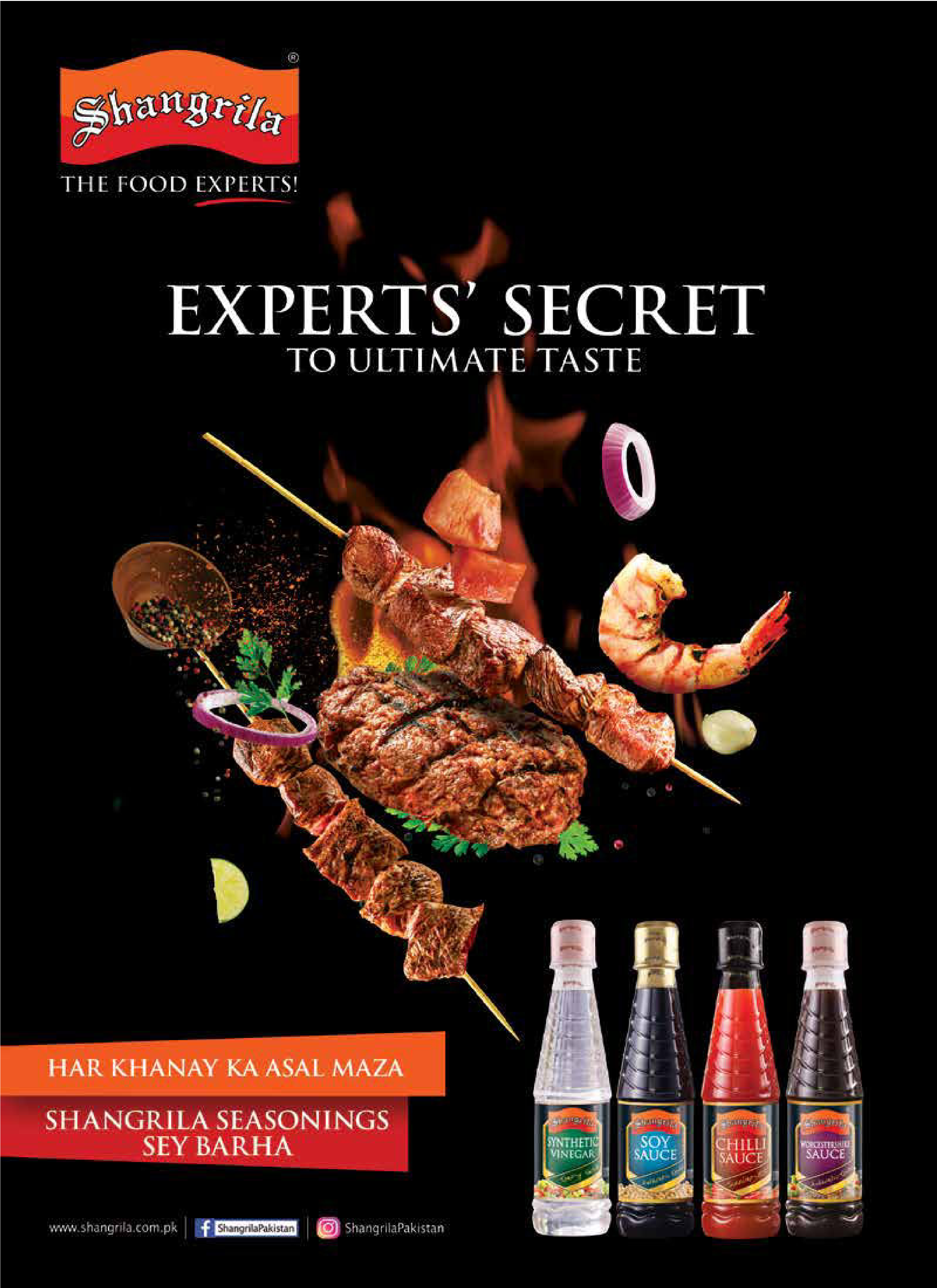
Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
EXPERTS' SECRET
TO ULTIMATE TASTE
HAR KHANAY KA ASAL MAZA
SHANGRILA SEASONINGS
SEY BARHA
SYNTHETIC VINEGAR
SOY SAUCE
CHILLI SAUCE
WORCESTERSHIRE SAUCE
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

کامیابی کے سنہری اصول

حضرت مولانا عابد الستار حفظہ اللہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اہلِ اسلام کے لیے ہر قدم پر ان کی راہ نمائی اور ان کی تربیت اور انہیں تنبیہ اور حال کا تقاضا، وقت کا تقاضا اس کی طرف اللہ کا یہ کلام راہ نمائی کرتا ہے۔ حال کیسا ہی کیوں نہ ہو، زمانہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، حالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں، قرآن اپنے سینے میں ان حالات کے لیے راہ نمائی رکھتا ہے اور ان حالات میں مسلمانوں کے لیے آسمانی ہدایت کا خزانہ رکھتا ہے کہ اس وقت تمہارا مولیٰ تم سے کیا چاہتا ہے، قرآن مجید اللہ کی زندہ کتاب ہے جب اسے کھولو تو یوں لگتا ہے کہ یہ آیت ابھی اتری ہے اور اسی وقت کے لیے اتری ہے اور مسلمانوں کو اس وقت اسی راہ نمائی کی ضرورت تھی۔

کام یابی چاہتے ہو اخروی طور پر۔۔۔ ان نصیحتوں میں کام یابی سو فیصد یقینی اور ضروری ہے اور بسا اوقات اللہ رب العزت اپنی حکمت سے اس دنیا کے اندر بھی سر کی آنکھوں سے تمہیں دکھا دیتا ہے، ان نصیحتوں پر عمل کرنے والوں کو اللہ کام یابیوں کی منزلیں طے کروا دیتا ہے۔ اگر کام یاب ہونا چاہتے ہو تو یہ نصیحتیں سنو!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

صبر سے کام لو، دشمن کے مقابلے میں مضبوط ہو جاؤ اور ایسے مضبوط ہو جاؤ کہ پوری فضا میں استقامت، حوصلہ، ہمت کی ایسی فضا بن جائے کہ کم ہمتی کی بات وہاں عیب بن جائے اور تم مورچوں پر جمے رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رباط کے عجیب فضائل بیان فرمائے کہ اسلامی سرحد کی حفاظت اللہ کو راضی کرنے کے لیے اسلام کے تحفظ، ملت کے تحفظ کے لیے کوئی ایک دن بھی اس مورچے پر کھڑا ہو کر چوکیداری کرتا ہے، اسے ایک سو سال دن کے روزے رات کی شب بے داری سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ یہ ملت کے تحفظ کے لیے کھڑا ہے اور فرمایا اگر وہ دن روزے کا ہو، رمضان کا ہو تو ایک دن کا رباط ایک ہزار سال کے رمضان کے روزوں سے زیادہ اسے فضیلت ملتی ہے۔ صبر و استقامت کی پوری فضا میں ہر آدمی ہمت کی بات حوصلہ کی بات ہو۔ 6 ستمبر 1965 یومِ دفاع، وطنِ عزیز کی تاریخ میں خوب صورت باب ہے۔ ایک خوب صورت اضافہ ہے۔ کیا ہی خوب صورت اضافہ تھا۔ ایک طرف وطنِ عزیز کی افواج بہادری اور جذبۂ شہادت کے ساتھ مورچوں پر کھڑی تھی اور دوسری طرف پوری قوم سبحان اللہ! صبر و استقامت کی ایک فضا یکجہتی اور اتفاق کا ایک ماحول تھا اور ہر ایک کے اندر جذبۂ جہاد جذبۂ شہادت اس کی حلاوت نظر آ رہی تھی تو آسمانوں سے اللہ کی مدد اور نصرت کیوں نہ اترے۔ دنیا نے دیکھا کہ وطنِ عزیز کی افواج اپنی قوم کی امیدوں پر کیسے پوری اتریں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے دل کیسے ٹھنڈے ہوئے اور پوری قوم کس طرح اپنے اندر کے اختلافات اور انتشار اور مفادات سے بالاتر ہو کر اپنی فوج کی پشت پر کھڑی تھی۔ یہ وہ اسباب ہیں اس پر اللہ کی مدد اور نصرت کے فیصلے ہوتے ہیں، "صابروا" استقامت کی فضا ہو، کم ہمتی کی بات نہیں، کم حوصلہ کی بات نہیں، پوری قوم ایک فضا میں ہو۔ ہمت اور حوصلے کی بات کرنے والی ہو، "ورابطوا" مورچوں پر مستعد رہو، تیار رہو۔ مفسرین نے لکھا ہے رباط اسے بھی کہتے ہیں جو دشمن کے مقابلے میں مورچے پر تیار کھڑا رہے اور رباط اسے بھی کہتے ہیں جو نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے، اسے بھی رباط کہتے ہیں عربی میں۔ تو "رابطوا" کے دونوں مطلب ہیں کہ تم نے زمینی اور جنگی مورچوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اور تم نے اسلامی معاشرے، اسلامی تہذیب، اسلامی شعائر، اسلامی قدروں کے مورچوں کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ تم نے دشمن کے مقابلے میں جو زمینی اور سرحدی مورچے ہیں، وہاں بھی تمہارے نوجوان مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوں اور پورے معاشرے اور سوسائٹی کے اندر بھی اسلامی ایمانی قدروں کا جو مورچہ ہے، جہاں تم

بیٹھے ہو، اسلامی تہذیب کے مورچے پر جو تم بیٹھے ہو، وہاں بھی تیار رہنا۔ اس لیے کہ ان میں سے کوئی ایک مورچے کے اندر بھی سستی دکھائی تو اللہ کی مدد اور نصرت اٹھ جاتی ہے۔ دشمن کے مقابلے کا مورچہ ہو یا شیطانی تہذیب، کفریہ تہذیب کا مورچہ ہو، مسلمانوں کو دونوں جگہ پر مستعد کھڑا ہونا ہے۔ دونوں جگہ تحفظ کرنا ہے۔ دونوں مورچوں کی حفاظت کرنی ہے، کیوں کہ تم نے کامیاب ہونا ہے، کامیابی چاہتے ہو اور تمہارے آباؤاجداد کی تاریخ ہے، جب انووں نے اپنی استطاعت کے مطابق اس مادی اور سرحدی مورچوں کا اور روحانی اور ایمانی مورچوں کا تحفظ کیا تو دنیا نے دیکھا اللہ کی مدد اور نصرت آسمانوں سے کیسے اتری۔ تعداد کتنی ہے، وسائل کتنے ہیں، افرادی قوت کتنی ہے، مادی نقشوں میں دشمنوں کے مقابلے میں تم ہم پلہ ہو یا نہ ہو، یہ ساری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ضرورت اس کی بھی ہے، لیکن ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل چیز ہے کہ جو تم سے بن پاتا ہے، تم اس میں کوتاہی نہ کرو، تم اس میں مستعد رہو، تم اس کے لیے تیار رہو۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں جا رہے تعداد کتنی ہے، دشمن تو کچھ بھی نہیں، یہ بھی نہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر یہ دعا کرا کر فیصلہ کرا لیتے، نبی سے بڑھ کر کس کی دعا ہو سکتی ہے، لیکن کامیابی اور فتح کے لیے عملاً مورچوں پر بیٹھنا ہوگا، دشمن کے سامنے تیاری کرنی ہوگی، جو اپنے سے ٹوٹے پھوٹے اسلحے کی شکلیں ہیں، گھوڑے ہیں، تیار رکھنے ہوں گے، اپنی طرف سے ظاہری طور پر ساری استطاعت، تیاری مکمل رکھنی ہوگی اور اسلامی شعائر میں اسلامی طرزِ زندگی میں اسلامی تہذیب میں اس کی کوتاہی بھی کسی درجے برداشت نہیں ہے، پھر دیکھیے بدر میں کیا ہوا؟ کیسے اللہ سے آسمانی فرشتے اترے، پوری تیاری تھی مورچوں پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں نا، مصلے پر بیٹھ کر ہی دو رکعت پڑھ لیتے، لیکن نہیں۔۔۔ جتنی طاقت ہے، اسے تیار رکھنا ہوگا، مکمل تیاری کے ساتھ دشمن کے مورچوں پر کھڑا ہونا ہوگا اور پوری قوم کی اپنے ان نوجوانوں کی پشت پر کھڑا ہونا ہوگا اور اپنے دائیں بائیں کی پوری زندگی میں معنوی مورچوں کی بھی حفاظت کرنی ہوگی، مگر اسلامی تاریخ دیکھیں تو بسا اوقات اسلامی مورچوں پر کچھ نشیب و فراز آئے، لیکن یہ نشیب و فراز قوموں کی قسمت کے فیصلے نہیں کیا کرتے، قوموں کی قسمت کے فیصلے اس وقت ہوا کرتے ہیں جب قومیں اپنے معنوی مورچوں پر سستی اور کاہلی دکھائے، پھر اس کے فیصلے ہوتے ہیں کہ نسل در نسل اپنی اسلامی زندگی سے، ایمانی زندگی سے، اسلامی سرحدوں سے ہمیشہ محروم ہو جاتی ہیں۔ وقتی طور پر مادی اور سرحدی مورچوں میں نشیب و فراز آتا ہے، وہ اتنے خطرے کی چیز نہیں، اس سے بڑے خطرے کی چیز یہ ہے جب قومیں اپنی معنوی مورچوں سے دست بردار ہو جائیں، پھر اس کی قسمت میں ایسے فیصلے ہو جاتے ہیں کہ ہزاروں سال یہ قوم پیچھے چلی جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ دیکھیے کامیاب ہونا چاہتے ہو صبر و استقامت اور ہمت کی فضا بناؤ، "ورابطوا" دشمنوں کے مورچوں پر سرحدوں پر مستعد اور تیار رہو۔

پوری قوم بھی اتفاق اور اتحاد کی فضا بنائے۔ ایمان اور اسلامی کی بنیادوں پر باہمی، آپس میں دست و بازو اور اپنی افواج کے ساتھ پشت پر کھڑی ہے اور ان ساری نصیحتوں کی روح اللہ نے آخر میں فرمائی۔ "وصابروا ورابطوا" تم میں مورچوں پر کامیاب ہو سکتے ہو، دشمن کے مقابلے میں تم کامیابی پا سکتے ہو "واتقوا اللہ" اللہ سے ڈرتے رہو، کہیں شریعت کی حدود میں کوتاہی نہ کرنا، کہیں اللہ کا حکم نہ ٹوٹنے پائے، تمہاری مدد اور نصرت کے فیصلے ظاہری وسائل و اسباب سے بڑھ کر ایک اور چیز ہے، وہ ہے اللہ کی عظمت اور محبت کو اپنے ساتھ اللہ کی بات اور فرماں برداری کو اپنے ساتھ لینا، اس پر اللہ کی مدد اور نصرت ہو سکتی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس وقت دشمن اپنی تمام تر سازشوں اور چالوں کے ساتھ تیاری میں ہے اور یہ دشمن آسانی سے ماننے والا نہیں، ہاں! جیسے کسی دور میں امریکا اور برطانیا نے اسرائیل کی پرورش کی تھی مصر کی فوج کو ٹھکانے لگانے کے لیے، حالاں کہ دس سال پہلے مصر نے اسرائیلیوں کو بری طرح سے شکست دی تھی، لیکن پھر ان طاقتوں نے اسے پالا اور پالنے کے بعد مصری فوج کو ٹھکانے لگا دیا اور اس کی سرحدی اور معنوی سارے مورچے ختم کر دیے تو دنیا کی طاقتوں نے ایک نئے اسرائیل کی پرورش کی اور یہ پرورش چائنہ کے مقابلے میں نہیں تھی، وطنِ عزیز کے خلاف تھی، دنیائے کفر نے اس کی پرورش کی ہے، اس کو تیار کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے دنیا کو کہ چائنہ کے مقابلے میں اسے طاقتور بنایا جا رہا ہے۔ حقیقت میں وطنِ عزیز دنیا کو برداشت نہیں اس خطے میں۔

تو یہ دشمن آسانی سے زیر ہونے والا نہیں ہے۔ اس لیے کہ پوری دنیائے کفر ایک سازش کے تحت ایک نئے اسرائیل کو اس نے پالا ہے،

جب ایسے دشمن سے ہماری مڈ بھیڑ ہے تو پھر اللہ کی طرف سے اس موقع پر یہ نصیحتیں اور رہنمائی ہے کہ صبر اور ہمت اور استقامت کی فضا بناؤ، کوئی کم ہمتی کوئی کم حوصلہ کی بات نہیں، ذاتی مفادات اور وقتی مفادات کو بنیاد بنا کر اختلافات نہیں اور تم دشمن کے مقابلے میں چوکنّا رہو اور اسلامی شعائر کی جو سرحدیں ہیں ان کی حفاظت کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔۔۔ اللہ کا وعدہ ہے "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن" پھر کامیاب تم ہی ہو کوئی صحابہ کے دور کے واقعات اور کوئی اولیاء اللہ کے واقعات ہمیں بہت دور کے لگیں گے۔ 1965 کا منظر آپ کے سامنے ہے۔ 1965 کا منظر نامہ آپ کے ملک کی ایک خوب صورت تاریخ ہے کہ آپ کے نوجوان کس طرح سے آپ کی امیدوں پر پورے اترے اور کیسے "محیر العقول" عقلیں دنگ رہ جانے والے کارنامے سر انجام دیے۔ ہمیں اُمید ہے کہ وطن کا سپاہی ان شاء اللہ قوم کی اُمیدوں پر پورا اترے گا اور پورے وطنِ عزیز کے عوام کا بھی حق ہے، ذمہ داری ہے کہ پورے ملک کے اندر ہمت، استقامت اور حوصلے کی فضا اور ماحول بنائے۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کی حدود کا خیال رکھے، تاکہ اللہ کی مدد و نصرت ہمارے ساتھ ہو۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

علمی سفر کے لیے بہترین زادِ راہ

جامعہ بیت السلام تلہ گنگ میں رئیس الجامعہ
حضرت مولانا عبدالستار صاحب حَفِظَہُ اللّٰہ کا طلبہ سے فکر انگیز خطاب
ضبط و تحریر: مولانا مقبول احمد استاذ جامعہ بیت السلام تلہ گنگ

اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر یہ ایک عظیم احسان ہے کہ مادہ پرستی کے اس دور میں جہاں پر ہر آدمی کو دنیا جمع کرنے کی فکر لگی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس راستے کے لیے ہمارا اور آپ کا انتخاب کیا ہے۔ آپ والدین چھوڑ کر آئے ہیں۔ گھر کا آرام اور اپنے دوست احباب کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ اب اگر اس وقت کو قیمتی بنائیں گے تو یہ سفر قیمتی بنے گا۔ یہ سفر ادب سے، محنت اور قربانی سے، تقویٰ اور پرہیزگاری سے قیمتی بنے گا اور جس نے ادب نہیں سیکھا وہ اس عظیم سفر کے قابل نہیں جو محنت اور قربانی برداشت نہیں کر سکتا بلکہ عیش و عشرت کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اس کو بھی اس سفر سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، جس کی زندگی گناہوں سے پاک نہ ہو اور نہ وہ اپنی زندگی کو گناہوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہو تو میرے عزیزو! طویل سفر اور بہت ساری معلومات جمع کر لینے کے باوجود وہ خالی ہاتھ ہی رہے گا۔

آپ حضرات اپنے اکابر میں سے جن کو بھی نمایاں پائیں گے، ان سب میں یہ تین خوبیاں نمایاں آپ کو نظر آئیں گی، کوئی ادب کے بہت اعلیٰ درجے پر ہوگا۔۔۔ کسی کی قربانی اور محنت اعلیٰ درجے کی ہوگی۔۔۔ اور کوئی تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوگا، لیکن کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت بخشی ہو اور اس میں یہ تینوں خوبیاں نہ ہوں۔ آپ اپنے بزرگوں کی سوانح پڑھ کے دیکھیں تو ان سب میں یہ تین چیزیں مشترک ملیں گی، ان خوبیوں کا ہر وقت آدمی کو استحضار ہونا چاہیے۔ آپ کے اساتذہ بھی اس موضوع پر آپ سے باتیں کرتے رہیں گے۔

میرے عزیز طلبہ! اس سفر میں حافظہ اور ذہانت ضروری نہیں، بس ادب ہو۔ محنت اور قربانی ہو۔ تقویٰ اور پرہیزگاری ہو تو بڑے بڑے ذہین لوگوں سے بھی وہ آگے نکل جاتا ہے، ہاں! ان تینوں کے ساتھ حافظہ بھی ہو تو "سبحان اللہ" پھر مجاہدہ بھی دو طرح کا ہے۔

(1) اختیاری مجاہدہ: اس سفر میں اختیاری مجاہدہ یہ ہے کہ طالب علم کے سبق کا ناغہ نہ ہو، تکرار میں حاضری یقینی ہو، جماعت میں صفِ اوّل کا اہتمام ہو، سُنتوں پر عمل ہو وغیرہ، مہینوں نہیں سالہا سال اس کی جماعت قضا نہ ہو، سالہا سال سبق میں اس کا ناغہ نہ ہو تو اس کے لیے استقامت چاہیے نا اور جب کوئی استقامت کے ساتھ عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے۔

(2) غیر اختیاری مجاہدہ: غیر اختیاری مجاہدہ یہ ہے کہ مثلاً بیماری آئی، معاشی حالات آئے، گھریلو حالات آئے، لیکن وہ استقامت کے ساتھ سفر جاری رکھتا ہے اور مجال ہے کہ کسی کو محسوس ہونے دیا ہو تو بسا اوقات آدمی راتوں نہیں، مہینوں اختیاری مجاہدہ کرے، اس کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں ملتا جو غیر اختیاری مجاہدہ کرنے پر ملتا ہے، اسے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ مجاہدہ اس کو بلندیوں پر لے جانے کے لیے ہے۔

اس لیے ہمیں شکر گزار بننا چاہیے کہ جب بھی کسی مجاہدے کا سامنا ہو خواہ وہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہم اس کو خندہ پیشانی سے قبول کریں۔ پھر دیکھیں آپ حضرات کو کیا ملتا ہے؟ پھر آپ ہی آپ ہوں گے، اب تو وہ مجاہدے نہیں رہے نا! کہ کئی دنوں تک کھانا نہ ہو۔۔۔ سالوں ایک کپڑا استعمال کرنا پڑے۔۔۔ کوئی بستر نہ ہو، سردی آئے تو مسجد کی چٹائی کو لپیٹ کر سو گئے اور گرمی آئی تو کپڑے اتار کر لنگی باندھ کر سو گئے، لیکن ہمارے کمزور جسموں کے لیے یہ چھوٹے چھوٹے مجاہدے بھی بہت بڑے ہیں، ہمیں تو بسا اوقات سردی بھی پریشان کر دیتی ہے۔۔۔ گرمی بھی پریشان کر دیتی ہے۔۔۔ بسا اوقات سالن بھی پریشان کر دیتا ہے، لیکن اگر کوئی اس کو خندہ پیشانی سے قبول کرے گا اور محنت کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ بہت کچھ سے نوازیں گے، لیکن ہم ناشکرے بہت ہیں، شیطان کی چالوں کو جانتے نہیں، اس لیے کبھی کبھار ادب بھی ہوتا ہے، محنت اور قربانی بھی ہوتی ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری بھی ہوتی ہے، لیکن زبان پر شکوہ آگیا۔۔۔ شکایت آگئی۔۔۔ سب کچھ ضائع ہوا، مشقت بھی برداشت کی، گرمی بھی برداشت کی، سردی بھی برداشت کی، گھر سے بھی دور رہا، لیکن زبان پر شکایت آئی شکوہ آیا سب پر پانی پھیر دیا۔

آج کل اگر آپ حضرات باہر جا کر دیکھ لیں تو ملک کے اکثر علاقوں کا یہ حال ہے کہ دس گھنٹے، پندرہ گھنٹے، اٹھارہ گھنٹے بجلی غائب، پانی غائب اور یہاں تو ماشاء اللہ کھانا بھی وقت پر ملتا ہے، پانی بھی وافر مقدار میں ملتا ہے، سونا بھی وقت پر ہے، کوئی ایسی پریشانی نہیں جو انسان برداشت نہ کر سکے، لیکن پھر بھی ہمارے جسموں کے لیے یہ چھوٹی چھوٹی ناگواریاں بھی بڑی ہیں اور اس کو بھی خندہ پیشانی کے ساتھ برضائے رغبت قبول کرنا یہ بھی قربانی ہے۔

اب انسان بہت بے صبرا ہو گیا۔ اس کا ظرف چھوٹا ہو گیا، فوراً شکوے اور شکایت زبان پر لے آتا ہے۔ اپنی پرواز کو خود روک لیتا ہے، بلندیوں کی قسمت پر کلہاڑی چلا لیتا ہے، خود اپنے لیے محرومی کا فیصلہ کر لیتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو اس سفر پر کچھ دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا آپ حضرات کے سامنے جو بھی مجاہدہ آئے خواہ وہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری جو بھی اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے، اسی سے قبولیت ملتی ہے تو اس لیے میرے عزیزو! ہمیشہ یہ تین چیزیں "ادب، محنت اور قربانی اور تقویٰ" سامنے رکھ کر علمی سفر کو جاری رکھیں۔ مثالی بچہ وہ ہے جو ادب میں مثالی ہو، جو محنت اور قربانی میں مثالی ہو، جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں مثالی ہو تو پھر وہ مدرسے میں مثالی ہوتا ہے، بلکہ پوری دنیا کے لیے مثالی ہوتا ہے۔

میرے عزیزو! یہی تو فرق ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے علم اور دنیا کی معلومات میں۔۔۔ کہ دنیا کی معلومات کے لیے ادب ضروری نہیں اور یہاں پہلا قدم ہی ادب ہے۔ دنیا کی معلومات تو بے ادبی کے ساتھ بھی آجاتی ہیں، بلکہ گمراہی کے ساتھ بھی آجاتی ہیں، لیکن علمِ نافع اور علم کا نور یہ ادب کے بغیر نہیں آتا، لہٰذا ادب کو سامنے رکھو اور اس میں آگے بڑھو، اس میں مثالی بنو اور ساتھ ساتھ مجاہدہ چاہے اختیاری ہو کہ اپنے اختیار سے مطالعہ میں ناغہ نہیں، تکرار میں ناغہ نہ ہو، کلاس میں ناغہ نہ ہو، نماز با جماعت کا ناغہ نہ ہو، تلاوت میں ناغہ نہ ہو یا غیر اختیاری کچھ حالات اور ناگواریاں آجائیں تو اس پر دل و جان سے راضی ہو، ایسے وقت میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ مجھے بلندیوں پر لے جانے کے لیے ہے۔ اللہ مجھے کچھ نوازنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا شمار قبیلہ بنی مخزوم کے مشہور اور اہم سرداروں میں ہوتا تھا۔ ان کا نام ”ہند بنت ابی اُمیہ“ تھا، لیکن ان کی کنیت ”اُمِ سلمہ“ کے نام سے زیادہ مشہور تھی۔ وہ اپنے شوہر حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ ہی اسلام لائیں۔ آپ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون تھیں، یہ شرف ان سے پہلے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا۔ جیسے ہی ان کے اور ان کے شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر قریش کو ملی، وہ غصہ سے آگ بگولہ ہوگئے اور انھوں نے ان دونوں کو اذیت ناک سزائیں دینا شروع کردیں، جب اذیت رسانی کا یہ سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرجانے کی اجازت دے دی تو یہ دونوں میاں بیوی ہجرت کرنے والے ”قافلہ مہاجرین“ میں شامل تھے۔ اگرچہ حضرت اُمِ سلمہؓ اور ان کے شوہر کو نجاشی (شاہ حبشہ) کی حمایت و سرپرستی میں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی تھی، مگر اس کے باوجود مکہ واپس جانے اور رسول اللہ کے دیدار کی آرزو ان کے دلوں کو ہر وقت مضطرب اور بے چین رکھتی تھی اور پھر جب سرزمین حبشہ میں مقیم مہاجرین کے پاس مسلسل اس طرح کی خبریں آنے لگیں کہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عمرؓ بن خطاب کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے اور قریش کی اذیت رسانیوں اور ان کے ظلم و ستم کا زور بڑی حد تک ٹوٹ چکا ہے تو ان میں سے کچھ لوگوں نے مکہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ کرلیا۔ دیارِ حرم میں پہنچنے کا شوق اور بارگاہِ رسالت میں حاضری کا اشتیاق انھیں کھینچے لیے جارہا تھا، چناں چہ واپسی کے اس سفر میں بھی حضرت اُمِ سلمہؓ اور ان کے شوہر سب سے آگے تھے، لیکن واپس آنے پر انھیں پتا چلا کہ انھیں جو خبریں پہنچی تھیں، ان میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی تھی۔ مشرکین مسلمانوں کو ستانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کررہے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت کرکے مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور حضرت اُمِ سلمہؓ اور ان کے شوہر نے قریش کی اذیتوں سے نجات حاصل کرنے اور اپنے دین کی حفاظت کے خیال سے جلد از جلد ہجرت کرجانے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر یہ کام ان کے لیے اتنا آسان نہ تھا، جتنا وہ گمان کرتے تھے۔ حضرت اُم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ”جب ابو سلمہؓ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی ٹھانی تو انھوں نے میرے لیے سواری کا اونٹ تیار کیا، مجھے اس پر سوار کیا اور میرے بچے سلمہ کو میری گود میں ڈالا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہوگئے، لیکن قبل اس کے کہ ہم مکہ سے باہر نکلتے میرے قبیلہ (بنی مخزوم) کے کچھ لوگوں نے ہم کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے۔ ابو سلمہ سے کہنے لگے کہ ”تم اپنے متعلق جو چاہو فیصلہ کرو، مگر تمہاری بیوی ہماری بیٹی ہے، ہم تم کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ اس کو اپنے ساتھ لیے ہوئے در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرو۔“ پھر وہ ان کے اوپر جھپٹ پڑے اور مجھے زبردستی ان سے چھین کر الگ کردیا۔ جب میرے شوہر ابو سلمہ کے قبیلے (بنوالاسد) کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ میرے قبیلہ والوں نے مجھے اور میرے بچے کو ابو سلمہ سے چھین لیا ہے تو وہ نہایت غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے کہ ”خدا کی قسم! جب تم نے اپنے خاندان کی لڑکی کو ہمارے قبیلے کے آدمی سے چھین لیا تو ہم بھی بچے کو اس کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ وہ ہمارے خاندان کا بچہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔“ پھر میری آنکھوں کے سامنے ہی وہ میرے بچے سلمہ کو اپنی طرف کھینچنے لگے، اس کھینچا تانی میں اس کا ہاتھ بھی اُکھڑ گیا اور وہ اس کو چھین کر لے گئے۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرا وجود ٹکڑے ہو کر بکھر گیا ہے اور میں اکیلی رہ گئی ہوں۔“

”ذرا سی دیر میں مجھے میرے شوہر اور میرے بچے کو ایک دوسرے سے جدا کردیا گیا۔ اس کے بعد سے میرا روزمرہ کا یہ معمول ہوگیا کہ صبح سویرے مکہ کے باہر ابطح کی طرف نکل جاتی اور اس جگہ جا کر بیٹھ جاتی، جہاں میرے ساتھ یہ المیہ پیش آیا تھا۔ میری یہ حالت لگ بھگ ایک سال رہی، آخر کار میرے بنی عم میں سے ایک شخص کا گزر میری طرف سے ہوا، اس کو میرے اس حال زار پر ترس آیا اور اس نے میرے قبیلے والوں سے کہا کہ تم لوگ اس غریب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ تم نے اس کو اس کے شوہر اور بچے سے جدا کرکے اس کے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ وہ برابر کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اس حد تک نرم ہوگئے کہ انھوں نے مجھے اپنے شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی، لیکن میرے لیے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ میں اپنے لختِ جگر کو مکہ میں بنی عبدالاسد کے یہاں چھوڑ کر خود اپنے شوہر کے پاس مدینہ چلی جاتی، کچھ لوگوں کو میری حالت پر رحم آیا اور انھوں نے بنی عبدالاسد سے بات کرکے ان کو میرے ساتھ نرم روّیہ اپنانے پر آمادہ کرلیا، چناں چہ انھوں نے میرے بچے سلمہ کو مجھے واپس کردیا۔“

”مجھے اندیشہ تھا کہ اس اثنا میں کہیں کوئی ایسا حادثہ نہ پیش آجائے جو مجھے میرے شوہر کے پاس پہنچنے سے روک دے، اس لیے میں نے جھٹ پٹ اپنی سواری کے اونٹ کو

تیار کیا، بچے کو گود میں لیا اور اپنے شوہر سے ملنے کے لیے مدینہ کی طرف چل پڑی، جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہ سے ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: "زادالراکب" کی بیٹی! کہاں جارہی ہو؟"

"اپنے شوہر کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟" انھوں نے دریافت کیا۔

"نہیں، خدائے تعالیٰ اور میرے اس بچے کے سوا میرے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم، جب تک تم مدینہ نہ پہنچ جاؤ میں تمھیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے میرے اونٹ کی نکیل تھام لی اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ خدا کی قسم! اس سے پہلے مجھے کسی ایسے عرب کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی جو ان سے زیادہ کریم النفس اور شریف ہو، ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو وہ اونٹ کو بٹھاتے اور خود مجھ سے پرے ہٹ جاتے۔ جب میں اونٹ سے نیچے اتر کر زمین پر ٹھیک سے کھڑی ہو جاتی تو وہ اونٹ کے پاس آتے، کجاوہ اتار کر زمین پر رکھ دیتے اور اونٹ کو لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے، پھر مجھ سے دور کسی سائے میں لیٹ جاتے، جب روانگی کا وقت ہو جاتا تو وہ اٹھ کر اونٹ کے پاس آتے اور اس کو تیار کر کے میرے قریب لاتے اور مجھے اس پر سوار ہونے کی اجازت دیتے ہوئے دور ہٹ جاتے، جب میں سوار ہو کر اطمینان سے بیٹھ جاتی تو آتے اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے چل پڑتے، مدینہ پہنچنے تک راستہ بھر میرے ساتھ ان کا یہی رویّہ رہا۔ جب ان کی نظر بنی عوف بن عمرو کی بستی قبائی پر پڑی تو بولے کہ "تمہارے شوہر اس بستی میں ہیں، خدا کا نام لے کر چلی جاؤ۔" یہ کہتے ہوئے وہ واپس مکہ کی طرف مڑ گئے۔

بچھڑے ہوئے ایک طویل عرصے کی جدائی کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے سے ملے، حضرت اُمِ سلمہؓ کی آنکھیں اپنے شوہر کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں اور حضرت ابو سلمہؓ کے دل کو اپنی بیوی اور بچے کو پا کر قرار و سکون نصیب ہوا۔ اس کے بعد واقعات اور حوادث تیزی سے گزرتے رہے۔ غزوۂ بدر میں ابو سلمہؓ شریک ہوئے اور فتح یاب و ظفر مند ہو کر مسلمانوں کے ساتھ واپس لوٹے اور پھر معرکہ اُحد میں بھی حضرت ابو سلمہؓ ایک بہادر کی طرح شریک ہوئے اور اس میں اپنی جرأت و شجاعت کے انمٹ نقوش چھوڑ آئے۔ جنگ سے واپس آئے تو ان کا جسم زخموں سے چور تھا، وہ برابر زخموں کا علاج کرتے رہے اور بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ زخم مندمل ہو چکے ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ وہ زخم بظاہر تو بھر گئے تھے، مگر اندر ہی اندر خراب ہو گئے تھے۔ ایک دن اچانک پھٹ گئے اور حضرت ابو سلمہؓ بستر سے لگ گئے، اسی زمانے میں جب وہ اپنے زخموں کے ساتھ کش مکش میں مصروف تھے۔ ایک دن اپنی بیوی سے بولے کہ اُم سلمہ! میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے۔

"جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے اور دعا کرے کہ خدایا! میں تجھ سے ہی اس مصیبت کا اجر چاہتا ہوں، الٰہی تو مجھے اس کا بہترین نعم البدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تلافی مافات کی بہترین صورت پیدا فرما دیتا ہے۔"

حضرت ابو سلمہؓ کئی روز تک بسترِ علالت پر پڑے رہے۔ اس دوران ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ دروازے میں داخل ہوئے اور ابھی اچھی طرح ان کو دیکھ بھی نہیں سکے تھے کہ انھوں نے زندگی کو خیرباد کہہ دیا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھوں کو بند کیا اور آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے ان کے لیے دعا کی۔

"اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما دے۔ مقرّبین میں ان کو بلند مرتبہ عطا کر اور ان کے پس ماندگان میں ان کا قائم مقام ہو جا۔ رب العالمین ہماری اور ان کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو کشادہ اور منور کر۔"

اِدھر جب حضرت اُمِ سلمہؓ کو وہ دعا یاد آئی، جو حضرت ابو سلمہؓ نے ان کو رسول اللہ کے حوالے سے بتائی تھی تو انھوں نے کہا۔

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي هٰذِهٖ لیکن ان کا دل اَللّٰهُمَّ اخْلُفْنِي فِيهَا خَيْرًا مِنْهَا کہنے پر آمادہ نہ ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھیں کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو نعم البدل کے طور پر طلب کیا جائے، لیکن کچھ دیر بعد انھوں نے دعا مکمل کر دی۔

حضرت اُمِ سلمہؓ کی اس مصیبت پر مسلمانوں نے غیر معمولی صدمہ و افسوس کا اظہار کیا، انھیں "ایّمُ العرب" کے لقب سے نوازا کیوں کہ مدینہ میں ان کے ننھے ننھے بچوں کے سوا ان کے اہلِ قبیلہ و خاندان میں سے ان کا کوئی قریبی سرپرست اور ہمدرد نہ تھا۔

مہاجرین و انصار دونوں نے بیک وقت اپنے اوپر حضرت اُمِ سلمہؓ کے حق کو محسوس کیا اور ان کی عدّتِ وفات گزرتے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا، مگر انھوں نے ان کا پیغام منظور نہیں کیا، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی، مگر انھوں نے حضرت عمرؓ کے پیغام کو بھی اسی طرح رد کر دیا، جس طرح وہ حضرت ابو بکرؓ کے پیغام کو نامنظور کر چکی تھیں۔ پھر جب خود رسول اللہ نے اپنے لیے پیغام دیا تو حضرت اُمِ سلمہؓ نے کہا کہ "اے اللہ کے رسول! میرے اندر تین ایسی خصلتیں ہیں جو شاید آپ ﷺ کو پسند نہ آئیں، پہلی بات یہ کہ میں انتہائی غیرت مند اور خود دار عورت ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ میری کوئی بات آپ ﷺ کی طبع مبارک کو ناگوار گزر جائے گی اور آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک سن رسیدہ عورت ہوں اور تیسری یہ کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر ارشاد فرمایا: "یہ جو تم نے اپنی غیرت مندی اور خودداری کی بات کہی ہے تو میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہارے اندر سے اس کو دور کر دے اور جہاں تک سن رسیدگی کی بات ہے تو میں اس حالت میں تم سے مختلف نہیں ہوں اور یہ جو تم نے بال بچوں کا ذکر کیا ہے تو اس کے لیے کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ سلمہؓ سے نکاح کر لیا اور ان کی وہ دعا مجسّم قبولیت بن کر سامنے آ گئی جو انھوں نے اپنے شوہر کے انتقال کے وقت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ابو سلمہؓ کا نعم البدل عطا فرما دیا اور اس وقت سے ہند بنت ابی امیہ مخزومیہ صرف سلمہ کی ماں نہیں رہ گئیں بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں۔ رضی اللہ عنہا

Perfect®
Freshener
SCENT UP YOUR
HOME
Perfect
Freshener
Room
BLOOM
LA PERFUME
Dry
رہو خوشبوؤں میں
Available on Daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner & pandamart
perfectairfreshener
PFreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

سوشل میڈیا کا فتنہ

سوال: آج کل موبائل اسٹیٹس پر ٹک ٹاک، اسنیک ویڈیوز (SneakVideos, TikTok) وغیرہ کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کے طوفان برپا کیے جارہے ہیں۔ شریعت اس کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے کہ جو شخص منکرات کرے اور دوسروں کو اس کے ذریعے دعوت بھی دے، نیز ایسے ہی آج کل اسٹیٹس پر ان کو لگا کر دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ موبائل اسکرین کے اسٹیٹس پر لگائے گئے، گندے ٹک ٹاک، بے ہودہ اسنیک ویڈیوز، فحاشی کے اشتہارات یہ سب ایمان ختم کرنے والی چیزیں ہیں، لہٰذا اس کا بنانا اور اس کو آگے بھیجنا ناجائز اور حرام ہیں۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہلِ حق کا عقیدہ

سوال: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رُو سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، یہ ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ ان کی وفات کے بعد اور قیامت سے پہلے ایک نبی آئیں گے، حضرت مہدی، جن کی والدہ کا نام حضرت آمنہ اور والد کا نام حضرت عبداللہ ہوگا۔ تو کیا یہ حضرت مہدی دراصل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں ہوں گے، جو دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے؟
اس کا جواب تفصیل سے دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب: حضرت مہدیؑ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اور جس پر اہلِ حق کا اتفاق ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہوں گے اور نجیب الطرفین (ماں باپ دونوں کی طرف سے) سید ہوں گے۔ ان کا نامِ نامی محمد اور والد کا نام عبداللہ ہوگا، جس طرح صورت وسیرت میں بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ شکل وشباہت اور اخلاق وشمائل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے، وہ نبی نہیں ہوں گے، نہ ان پر وحی نازل ہوگی، نہ وہ نبوت کا دعویٰ کریں گے، نہ ان کی نبوت پر کوئی ایمان لائے گا۔

ان کی کفار سے خون ریز جنگیں ہوں گی، ان کے زمانے میں کانے دجال کا خروج ہوگا اور وہ لشکرِ دجال کے محاصرے میں گھِر جائیں گے۔ ٹھیک نمازِ فجر کے وقت دجال کو قتل کرنے کے لیے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور فجر کی نماز حضرت مہدیؑ کی اقتدا میں پڑھیں گے۔ نماز کے بعد دجال کا رُخ کریں گے، وہ لعین بھاگ کھڑا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا تعاقب کریں گے اور اسے "بابِ لُد" پر قتل کردیں گے، دجال کا لشکر تہ تیغ ہوگا اور یہودیت ونصرانیت کا ایک ایک نشان مٹادیا جائے گا۔

منکرینِ ختمِ نبوت کے لیے اصل شرعی فیصلہ کیا ہے؟

سوال: خلیفۂ اول بلا فصل۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذّاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرینِ ختم نبوت کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور تمام منکرینِ ختم نبوت کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ منکرینِ ختمِ نبوت واجب القتل ہیں، لیکن ہم نے پاکستان میں قادیانیوں کو صرف "غیر مسلم اقلیت" قرار دینے پر ہی اکتفا کیا، اس کے علاوہ اخبارات وسوشل میڈیا پر آئے روز اس قسم کے بیانات بھی شایع ہوتے رہتے ہیں کہ "اسلام نے اقلیتوں کو جو حقوق دیے ہیں، وہ حقوق انھیں پورے پورے دیے جائیں گے۔" ہم نے قادیانیوں کو نہ صرف حقوق اور تحفظ فراہم کیے ہوئے ہیں، بلکہ کئی اہم سرکاری عہدوں پر بھی قادیانی فائز ہیں اور اس سلسلے میں مزید پیش رفت کی جارہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منکرینِ ختمِ نبوت اسلام کی رُو سے واجب القتل ہیں یا اسلام کی طرف سے اقلیتوں کو دیے گئے حقوق اور تحفظ کے حق دار ہیں؟

جواب: واضح رہے کہ منکرینِ ختم نبوت کے لیے اسلام کا اصل قانون تو وہی ہے جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا۔ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کی جان ومال کی حفاظت کرنا، ان کے ساتھ رعایتی سلوک ہے، لیکن اگر قادیانی اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں، بلکہ مسلمان کہلانے پر مُصر ہوں تو مسلمان، حکومت سے یہ مطالبہ کرسکتے ہیں کہ ان کے ساتھ مسیلمہ کذّاب کی جماعت کا سا سلوک کیا جائے۔ کسی اسلامی مملکت میں مرتدین اور زنادقہ کو سرکاری عہدوں پر فائز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، یہ مسئلہ نہ صرف پاکستان، بلکہ دیگر اسلامی ممالک کے اربابِ حل وعقد کی توجہ کا متقاضی ہے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد میں غفلت کرنے والے کی توبہ

سوال: ایک آدمی اللہ کا حق تو ادا کرتا ہے، لیکن حقوق العباد سے کوتاہی برت رہا ہے، اس کی مغفرت ہوگی کہ نہیں؟ اسی طرح حقوق العباد اگر ادا کر رہا ہو، اس میں کسی قسم کی اپنی دانست میں کوتاہی نہیں کر رہا ہے، مگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے، کیا اس کی مغفرت ممکن ہے؟

جواب: واضح رہے کہ سچی توبہ سے تو سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (اور سچی توبہ میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کا حق تلف کیا ہو، ان کو ادا کرے یا ان سے معافی مانگ لے) اور جو شخص بغیر توبہ کے فوت ہوا، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہ خواہ اپنی رحمت سے بغیر سزا کے بخش دے یا گناہوں کی سزا دے۔ حقوق العباد کا معاملہ اس اعتبار سے زیادہ سنگین ہے کہ ان کو ادا کیے بغیر آخرت میں معافی نہیں ملے گی، ہاں! اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائیں اور اہلِ حقوق کو اپنے پاس سے معاوضہ دے کر راضی کرادیں یا اہلِ حقوق خود معاف کردیں تو دوسری بات ہے۔

ماہِ صفر کی رسومات حقیقت کے آئینے میں

سوال: کیا صفر کا مہینہ منحوس مہینہ ہے؟ کیا اس مہینے کی آخری بدھ کو خوشی منانا اور کھانے پینے کی تقاریب منعقد کرنا درست ہے؟ نیز اس مہینے میں اور بھی بہت سارے رسومات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شریعت اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

جواب: واضح رہے کہ اسلامی سال کا دوسرا مہینہ "صفر المظفر" ہے۔ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت

کے لوگ اس مہینہ کو منحوس، آسمانوں سے بلائیں اتارنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھتے تھے، اس وقت بھی لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) منحوس سمجھتے تھے۔

اسلام نے آکر دیگر توہّمات کی طرح لوگوں کے ذہنوں میں اس ماہ کے بارے میں پائے جانے والے بے سروپا خیالات کی لگی لپٹی کے بغیر واشگاف الفاظ میں تردید کی، چناں چہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری کے دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، ماہِ صفر میں نحوست ہونے کا عقیدہ اور ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی کا عقیدہ سب بے حقیقت باتیں ہیں۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات کی گنجائش نہیں ہے۔

ماہِ صفر سے متعلق نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر دشمنانِ اسلام نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف منسوب جھوٹی روایات پھیلانے جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ذیل میں ایک ایسی ہی من گھڑت روایت اور اس پر ائمہ جرح و تعدیل کا کلام ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ من گھڑت حدیث یہ ہے: ”مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُہُ بِالْجَنَّۃِ“ ترجمہ: جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوش خبری دے گا، میں اُسے جنت کی خوش خبری دوں گا۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے کہ چوں کہ اس مہینے میں نحوست تھی، جس سے ہر انسان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے اگر کسی نے ہمیں یہ خبر دی کہ نقصان پہنچانے والا یہ مہینہ سلامتی کے ساتھ گزر گیا اور اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا تو ایسے شخص کے لیے جنت کی خوش خبری ہے۔

واضح رہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ مُلّا علی قاریؒ، شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ نے اس حدیث کا من گھڑت ہونا ثابت کیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو ماہِ صفر میں سفر نہیں کرتے (یعنی سفر کرنا درست نہیں سمجھتے) اور نہ ہی اس مہینے میں اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں، مثلا: نکاح کرنا اور اپنی بیویوں کے پاس جانا وغیرہ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان ”جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوش خبری دے گا، میں اسے جنت کی بشارت دوں گا“ سے دلیل پکڑتے ہیں۔ کیا نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مبارک (سند کے اعتبار سے) صحیح ہے؟ اور کیا اس مہینے میں نحوست ہوتی ہے اور کیا اس مہینے میں کسی کام کے شروع کرنے سے روکا گیا ہے؟

جواب: ماہِ صفر کے بارے میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے، یہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو اہلِ نجوم کے ہاں پائی جاتیں تھیں، جنہیں وہ اس لیے رواج دیتے تھے کہ ان کا وہ قول ثابت ہوسکے، جسے وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے، حالاں کہ یہ صاف اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

اس کے بر عکس ماہِ صفر کے بارے میں بہت ساری احادیث ایسی موجود ہیں جو ماہِ صفر کی نحوست کی نفی کرتی ہیں۔

اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو بھی اس حدیث سے ماہِ صفر کے منحوس ہونے پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اس کا صحیح مطلب اور مصداق یہ ہوگا کہ چوں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ربیع الاول میں وصال ہونے والا تھا اور آپ ﷺ کو اپنے رب عزوجل سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا، اس لیے ربیع الاول کے شروع ہونے کا انتظار تھا، چناں چہ اس پس منظر کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے جنت کی بشارت کا اعلان فرمادیا، جو ماہِ صفر کے ختم ہونے کی (اور ربیع الاول کے شروع ہونے کی) خبر لے کر آئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث کا ماہِ صفر کی نحوست سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اسے محض مسلمانوں میں غلط نظریات پھیلانے کی غرض سے گھڑا گیا ہے، نیز ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعًا کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس دن نبی اکرم ﷺ کو بیماری سے شفا ملنے والی بات بھی جھوٹی ہے، اس دن تو معتبر روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی بیماری کی ابتدا ہوئی تھی نہ کہ شفاء۔

لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توہّمات و منکرات سے بچیں اور جذبہ خیر خواہی کے ساتھ دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔

ناجائز تعلقات کو پاکیزہ محبت قرار دینا اور اسے عبادت سمجھنا کفر کی بات ہے۔

سوال: ایک مرتبہ میری کالج کے لڑکوں سے اس بات پر بحث ہوئی کہ نامحرم عورتوں سے تعلقات رکھنا درست نہیں ہے، جبکہ وہ اسے نہ صرف جائز، بلکہ عبادت سمجھتے ہیں اور جواز کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم لڑکیوں کے ساتھ جو تعلقات رکھتے ہیں، وہ پیار اور محبت میں کرتے ہیں اور پیار کرنا کوئی گناہ نہیں، بلکہ عبادت ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ کس نے بتایا کہ پیار کرنا عبادت ہے، انھوں نے ذرائع ابلاغ، سوشل میڈیا اور فلموں اور ڈراموں کا حوالہ دیا کہ ان میں دن رات یہی سبق سکھایا جاتا ہے کہ پیار ہی سے زندگی ہے اور پیار کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

ازراہِ کرم آپ شریعت کی روشنی میں اس مسئلے کا جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب: واضح رہے کہ انسانوں اور مخلوقِ خدا سے پیار کرنا یقیناً عبادت ہے، لیکن اس عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلایا جائے، کسی یتیم، بیوہ یا غریب کی مدد کی جائے، کسی مصیبت زدہ سے اظہارِ غم خواری کرکے اس کا دکھ بانٹا جائے، ضرورت کے وقت کسی مجبور اور مظلوم انسان کی مدد کی جائے اور شادی کے بعد اپنی بیوی سے محبت کی جائے۔ یہ سب باتیں پیار کا اصل مفہوم ہیں اور عبادت کے زُمرے میں آتی ہیں۔

جبکہ اس کے برخلاف غیر محرم سے تعلق و آشنائی حرام ہے، اسے پاک محبت سمجھنا جہالت ہے اور حرام کو حلال، بلکہ عبادت سمجھنا کفر کی بات ہے۔

انکارِ حدیث انکارِ دین ہے

سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ چوں کہ احادیث کی بنا پر ہی مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، اس لیے احادیث کو نہیں ماننا چاہیے، نیز ان صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ تو لیا ہوا ہے، مگر احادیث کی حفاظت کا ذمہ بالکل نہیں لیا، اس لیے احادیث غلط بھی ہوسکتی ہیں، لہٰذا احادیث کو نہیں ماننا چاہیے۔ اس طرح کے خیالات کہاں تک درست ہیں؟

جواب: واضح رہے کہ احادیث نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو کہتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایمان رکھتا ہو، وہ آپ ﷺ کے ارشاداتِ مقدّسہ کو بھی سر آنکھوں پر رکھے گا اور جو شخص نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو ماننے سے انکار کرتا ہے، وہ ایمان ہی سے خارج ہے۔

ان صاحب کا یہ کہنا کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی احادیث کی وجہ سے ہوئی، بالکل غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ و تابعینؒ کے ارشادات کی روشنی میں نہ سمجھنے، بلکہ اپنی خواہشات و بدعات کے مطابق ڈھالنے کی وجہ سے تفرقہ پیدا ہوا، چناں چہ ماضی بعید میں خوارج، معتزلہ، جہمیہ، روافض اور آج کے منکرینِ حدیث کے الگ الگ نظریات اس کے شاہد ہیں۔

ان صاحب کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، احادیث کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا، یہ بھی غلط ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی ضرورت جس طرح آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کو تھی، اسی طرح بعد کی امت کو بھی ان کی ضرورت ہے اور جب امت اپنے نبی ﷺ کی ہدایات اور آپ ﷺ کے ارشادات کے بغیر اپنے دین کو نہیں سمجھ سکتی تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعد کی امت کے لیے اس کی حفاظت کا بھی انتظام ضرور کیا ہوگا اور اگر بعد کی امت کے لیے صرف قرآن کریم کافی ہے اور آپ ﷺ کے ہدایات و ارشادات کی اسے ضرورت نہیں تو آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کو بھی نعوذ باللہ! آپ ﷺ کی ضرورت نہ ہوگی تو پھر یہ کفریہ خیال اختیار کرنا پڑے گا کہ گویا نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے کار مبعوث کیا۔۔۔؟

جنت، دوزخ وغیرہ کے بارے میں دل میں خیال پیدا ہونے کا شرعی حکم

سوال: جب سے میں نے نماز پڑھنا، زکوۃ وغیرہ دینا اور دین کی دوسری باتوں پر عمل کرنا شروع کیا ہے، اس کے بعد اکثر دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں یہ جنت، دوزخ کی باتیں (نعوذ باللہ) جھوٹ نکلیں تو۔۔۔! مگر پھر توبہ کرکے ٹھنڈے ذہن کے ساتھ اس بات پر نہایت سختی سے جم جاتا ہوں اور سوچنے لگتا ہوں کہ ”اگر قیامت، دوزخ، جنت سب سچ نکلا تو۔۔۔! اربوں کھربوں، بلکہ لامحدود وقت کون دوزخ میں گزارے گا اور اتنا بڑا رسک کیوں لیا جائے؟“

کیا ان خیالات سے ایمان جاتا رہتا ہے، جبکہ فوراً توبہ کرلی جائے؟

جواب: واضح رہے کہ اس قسم کے خیالات اور وسوسے جو غیر اختیاری طور پر دل میں آئیں، وہ دین و ایمان کے لیے مُضر نہیں، جبکہ آدمی ان کو ناپسند کرتا ہو، ایسا وسوسہ دل میں آئے تو فوراً استغفار کرنا چاہیے اور توجہ ہٹانے کے لیے کسی دوسرے کام میں لگ جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے برحق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سب برحق ہیں، جنت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، نیکی اور بدی کا حساب وکتاب برحق ہے، جزا و سزا برحق ہے، عذاب قبر، میزان اور پل صراط برحق ہے۔ الغرض عالمِ غیب کے وہ حقائق جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں، وہ برحق ہیں۔ ان پر عقیدہ رکھنا شرطِ ایمانی ہے، اس لیے ان غیر اختیاری خیالات و وساوس کا علاج یہ ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے، نہ ان سے پریشان ہوا جائے۔

محبت اللہ کی

بنت ایوب مریم

ایک ذات ہے۔ اللہ کی ذات! سب کو تنہا پالتی اور رزق پہنچاتی ہے۔ مخلوق کا خیال کرتی ہے۔ سارے جہاں پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ نہایت غفور و رحیم ذات ہے۔ نوازنے والی ذات ہے۔ نہ مانگنے پر ناراض ہونے والی اور مانگنے پر راضی ہونے والی ذات ہے۔ کسی بھی طبقے کو دوسرے پر فوقیت نہ دینے والی ذات ہے۔ ہاں، مگر اعمال صالحہ!

اعمال صالحہ کرنے والوں کو بہت عزیز رکھنے والی ذات ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جن کے لیے اس قدر مہربان و رحیم ذات قرآن پاک میں "یُحِبُّ" کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ کچھ اعمال ہیں جن کو پورا کرنے والوں کو وہ بہت عزیز رکھتی ہے، کیوں نہ ہم بھی چند اعمال کا خیال کرتے ہوئے اس عظیم و برتر ذات کے محبوب بندے بن جائیں؟ رزق تو سب کو ملتا ہے، لیکن کیوں نہ ہم خاص نظرِ کرم کے مستحق ٹھہریں؟ عرش سے آکر روز فرشتے اس کی طرف پکارتے ہیں، کیوں نہ ہم فرشتوں کی آواز پر لبیک کی صدا لگا دیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (البقرۃ: 195)

ایک ذات جو ہم سب پر اس قدر مہربان ہے کہ نافرمانی کرنے پر بھی بھوکے نہیں سلاتی۔ ناقدری پر بھی برابر نعمتوں سے نوازتی رہتی ہے۔ اس کے محبوب بننے کے لیے کیوں نا ہم بھی خلقِ خدا پر احسان کریں۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کریں اور مخلوق کے دلوں میں بسے اللہ کو پالیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (البقرۃ: 222)

اللہ تعالیٰ کی ذات رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ غفور بھی ہے۔ سب کو اپنی طرف بلاتی ہے کہ اپنے گناہوں پر استغفار کرلو۔ گناہ کے ڈھیر لے آؤ، انبار لگالو۔ یہ سب کے سب گناہ اللہ کی نظرِ التفات کے منتظر ہیں۔ اللہ کی ایک نظرِ کرم سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ صفائی کا خیال رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھتا ہے۔ ظاہری دیکھا جائے تو صفائی سے انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ انسان بیماریوں سے بچا رہتا ہے، لیکن اللہ کی ذات نے اسے بھی نیکیوں میں اضافے کا بہانہ بنا دیا کہ ہمارے اعمال صالحہ میں اضافہ ہو اور ہم جنت کے مستحق ٹھہریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ

اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران: 146)

جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی تمام تکالیف کا سامنا ہمت سے کرتا ہے اور تکالیف سہتے ہوئے بھی اللہ کا اطاعت گزار رہتا ہے۔ نعمتوں کے چھن جانے پر زبان پر کوئی شکوہ نہیں لاتا بلکہ حالات کے سامنے ڈٹا رہتا ہے، اسے صابر کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی بندوں کے متعلق فرمایا ہے کہ اللہ کی ذات صبر کرنے والے سے محبت کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ

بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران: 159)

جو بندے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ اللہ کو ہی بڑا جانتے ہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی ان کا بال بھیگا نہیں کرسکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ اس لیے محبت کرتا ہے کہ یہ لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ

بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدۃ: 42)

اللہ تعالیٰ خود عادل اور مقسط ہے تو انصاف پرور بندوں سے محبت کرتا ہے جو بندے اللہ کے دو بندوں کے درمیان انصاف کرتے ہوئے کوئی معاملہ طے کرتے ہیں یا مسئلہ سمجھاتے ہیں، اللہ کو بہت محبوب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔ (توبہ: 7)

اللہ تعالیٰ کی ذات پرہیزگاروں (یعنی جو لوگ پاکی و ناپاکی اور حلال و حرام کا خیال رکھتے ہوئے تمام برائیوں سے اجتناب کرتے ہیں) کو بہت عزیز رکھتی ہے۔ یہ لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور اسی کو بڑا مانتے ہیں۔ اور اللہ کے محبوب ہونے کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات نے صرف جنت بنائی ہی نہیں بلکہ اسے بسانے کے لیے یا ہمارے جنت کو پانے کی خواہش کے حصول کے لیے انتہائی آسان اور آزمودہ نسخے بھی بتائے ہیں۔ بہت سی نیکیوں کا بتایا، جن سے ہم باآسانی جنت کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔ تو یہ اللہ کی اپنی مخلوق سے محبت نہیں تو کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس قدر اونچی ذات کے مالک ہونے کے باوجود بھی ہم سے محبت کرتے ہیں۔

ہم پر اس ذات کے بہت سے احسانات ہیں، جن میں سے ہم کسی ایک کا بھی بدلہ نہیں چکا سکتے۔ روئے زمین پر چلتے پھرتے بندوں میں سے اللہ کو بندہ پسند آجاتا ہے۔ جس کا کوئی عمل بھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق یوں اظہارِ محبت فرماتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں۔ پس تو بھی اس سے محبت کر! پھر جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو! پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول کردیا جاتا ہے۔

ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں۔ اللہ کے راضی ہونے میں ہی دونوں جہاں کی سرخروئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں اور محبت کرنے لگیں تو ہمارے نصیب جاگ جائیں گے۔ ہمارا مقدّر اوجِ ثریا پر ہوگا۔ ہمیں صرف اپنے اندر وہ اوصاف ہی تو پیدا کرنے ہیں، جن سے ہم اللہ تعالیٰ کی محبت اور خاص نظرِ کرم کے مستحق ٹھہر جائیں۔

اللہ کی محبت جانِ ایمان ہے۔ ہمارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا، جب اللہ کی محبت دل میں راسخ نہ ہو جائے۔ اللہ کی محبت جب دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو خود ہی ترجیحات بدل جاتی ہیں اور اللہ کی رضا و خوشنودی کے سوا بندے کو کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اللہ کی محبت عظیم سعادت اور بہت بڑی عبادت ہے۔ یہ اللہ کی محبت ہی ہے جو انسان کو روئے زمین کے باقی انسانوں سے ممتاز کردیتی ہے۔

امراض واحتیاط

امراضِ گردہ

حکیم شمیم احمد

گردہ اہم عضو

جسم کے تمام اعضا کی طرح گردوں کا بھی شمار اہم عضو میں ہوتا ہے، یہ ہمارے جسم سے زہر آلود تیزاب کی نکاسی کا کام کرتے ہیں اور خون کی تطہیر کرکے جسم کو فاسد مادوں سے خارج کرکے نکاسی کا اہم کام انجام دیتے ہیں۔ گردوں کے اس نظام کو گھر کے کچن اور باتھ روم کی مثال سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، اکثر یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کچن یا باتھ روم کی نالیوں میں کچرا پھنسنے کی وجہ سے وہ مسدود ہوجاتی ہیں اور گندا پانی پورے باتھ روم اور کچن میں بھر جاتا ہے۔ خواتین ان نالیوں کو کھولنے کے لیے تیزاب کا سہارا لیتی ہیں، کئی تدابیر اختیار کرنے کے بعد اگر نالیاں نہیں کھلتیں تو خاک روب لمبے بانس نالیوں میں گزار کر کچرا صاف کرتے ہیں، یوں کافی جتن کے بعد نکاسی کا یہ عمل بحال ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر گردہ ناکارہ ہوجائے تو خون سے نکاسی کا عمل بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

گردوں کا کام

ہمارا جسم پانی سے لبریز ہے، جسم میں کیمیائے حیات کے سبب آلودگی ہوتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ غلاظت غذا کی تلچھٹ بھی آتی ہے۔ جسم کے اندرونی ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے گردے اپنا کام انجام دیتے ہیں، جو ضروری اجزا کو تو جسم میں جذب کرلیتے ہیں، لیکن آلائش اور غیر ضروری فاسد مادوں کو خارج کرتے رہتے ہیں۔

عطیۂ قدرت کی قدر کریں

خالق کائنات کی فیاضی دیکھیے اس نے ہمارے جسم کو دو گردے عطا کیے ہیں جو ہماری ضرورت سے بہت زیادہ ہیں۔ ایک گردہ بھی ہو تو گردے کا فعل برقرار رہتا ہے۔ آپ نے اکثر لوگوں کے متعلق سنا ہوگا کسی خرابی کے سبب اگر ایک گردہ نکال لیا جائے تو اس کے باوجود انسان اپنے معمولات زندگی بخیر خوبی انجام دے سکتا ہے، بشرطیکہ ہم اپنے گردوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں اور ان کو خراب نہ ہونے دیں، یعنی قدرت کے اس عطیہ کی قدر کریں۔

دل چسپ بات

گردے دو چھوٹے چھوٹے اعضا ہیں، جو پشت میں پچھلی دیوار کے سامنے ریڑھ کی ہڈی کے دونوں اطراف آویزاں ہیں جو حجم و قامت میں انڈے سے بڑے ساڑھے چار انچ کے ہوتے ہیں اور وزن میں ربع کلو سے کم۔ دوسرے اعضا کی نسبت اس میں سیرابی خون تقریباً دس گنا زیادہ ہے۔ گردوں کی ساخت نہایت پیچیدہ سوزن کاری کی طرح ہے۔ دونوں گردوں میں بیس لاکھ نلکیاں ہیں، جن کی مجموعی لمبائی اسّی میل کے لگ بھگ ہے۔ یہ بات دل چسپ ہے کہ خون چھانے جانے کے بعد خون کا 180 لیٹر پانی نلکیوں میں چلا جاتا ہے جو سارا کا سارا خون میں جذب ہوجاتا ہے۔ سوائے ڈیڑھ لیٹر کے جو حالبین کے ذریعے مثانے تک پہنچتا ہے۔

مثانہ کا وجود

مثانہ پیشاب جمع ہونے کا مخزن ہے، بلکہ اسی طرح جیسے پرانے گھروں میں گھر کا غلیظ پانی نالیوں کے راستے جمع ہوتا تھا، اگر مثانے کا وجود نہ ہوتا تو پیشاب لگاتار ہوتا رہتا۔ مثانہ پیٹ میں ناف کے نیچے واقع ہے، یہاں تقریباً ایک لیٹر پیشاب جمع ہوسکتا ہے اور پھر ایک نلکی کے راستے باہر خارج ہوتا ہے۔ اس پیشاب کی گزر گاہ کو ٹونٹی کا صمام قابو میں رکھتا ہے۔ یہ ٹونٹی اس وقت کھلتی ہے جب پیشاب جمع ہوجائے اور پیشاب کی حاجت ہو۔ مردوں میں اس نلکی کا راستہ غدہ قدامیہ (Prostate Gland) سے ہوکر گزرتا ہے۔

گردے کی خرابی

گردوں میں خرابی اچانک آسمانی آفت کی طرح نازل نہیں ہوتی، بلکہ یہ خرابی بتدریج پیدا ہوتی ہے، زیادہ تر اس کی وجہ ہمارے طرز زندگی کی خرابیوں میں مضمر ہے۔ ان اسباب کی طرف اگر بروقت توجہ دی جائے تو نہایت خطرناک انجام سے تحفظ مل سکتا ہے۔

گردے کی خرابی کے اسباب: گردوں میں خرابی کا سب سے عام اور قابل علاج سبب بلند فشارِ خون ہائی بلڈ پریشر ہے۔ یہ بدقسمتی کے سوا کچھ اور نہیں کہ جس مرض کا علاج ممکن ہے، اس کو بغیر علاج کے چھوڑ دیا جائے اور وہ ایک خاموش قاتل کی طرح گردوں کا قلع قمع کرتا رہے۔ ہائی بلڈ پریشر سے گردوں کا ماؤف ہونا مصدقہ ہے۔ گردوں کو خون سے سیراب اور شاداب کرنے والی لاتعداد چھوٹی رگیں بے کار ہوجاتی ہیں، جس طرح ایک اجڑے ہوئے ویران باغ کی اور مریض اس وقت معالج کے پاس پہنچتا ہے جب دونوں گردے فیل ہوچکے ہوتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہائی بلڈ پریشر کا علاج اس وقت تک کامیاب رہتا ہے جب تک کہ ہائی بلڈ پریشر کو کم کرنے والی ادویہ مریض کو دی جاتی رہیں، اسی لیے مشورہ دیا جاتا کہ ہائی بلڈ پریشر کا علاج صرف اس وقت موثر سمجھا جائے جب بی پی آپریٹر کے ذریعے بلڈ پریشر درست ہو، نا کہ مریض کا احساس کہ میں ٹھیک ہوں، اس لیے بلڈ پریشر کو کم کرنے والی گولیاں مستقل کھانی چاہییں اور گاہے بگاہے چیک کرتے رہنا چاہیے۔

گردوں کو ضرر

جسم کا خون اگر زیادہ مقدار میں ضایع ہوجائے، خصوصاً متوسط العمر لوگوں میں خون کی قے یا اجابت ہو، خواتین میں حمل اور زچگی کے زمانے میں خون ضایع ہوجائے تو گردوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ضایع شدہ خون کی تلافی خون چڑھا کر کی جائے، اگر جسم سے پانی اور نمکیات کی وافر مقدار ضایع ہوجائے جو کثرتِ دست یا اسہال میں اور الٹیاں ہونے سے ہوسکتی ہے تو گردوں کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔

گردے کی جانچ پڑتال

گردوں کا اصل کام اور ذمے داری یہ ہے کہ خون کو صاف ستھرا کرکے ہر قسم کی آلائش سے محفوظ رکھے، تاکہ جسم موسی زہریلی اجزا سے خراب نہ ہونے پائے۔ اس غرض سے خون کا ہر قطرہ دن میں کئی مرتبہ گردوں سے گزرتا ہے اور گردہ جانچ پڑتال کرتا ہے، اس طرح خون صاف رہتا اور جسم کے کیمیائی اجزا میں توازن برقرار رہتا ہے، اگر کسی کیمیاوی جز کی مقدار بڑھ جائے تو گردے اس کو خارج کردیتے ہیں، یوں گردے ایک ماہر کیمیاگر کی طرح مستقل نگہبانی کرتے رہتے ہیں۔

نمک کم کھانے کی عادت ڈالیں

بلڈ پریشر بڑھنے کی ایک وجہ نمک کا کثرت سے استعمال ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچپن سے ہی نمک کم کھانے کی عادت ڈالنی چاہیے، جو نمک قدرتی طور پر غذا میں شامل ہوتا ہے، وہ ہماری ضروریات کے لیے کافی ہے۔

گردوں کی خرابی کی دوسری وجہ: وہ تعفّن اور عفونت ہے، جو گردوں میں سرایت کر کے ان میں سوزش یا التہاب پیدا کرتی ہے۔ اس انفیکشن کا بار بار ہونا گردوں کو بالآخر ناکارہ کر دیتا ہے اور گردے سے پیپ کی نلکیاں بن جاتیں ہیں، اس تکلیف میں پیشاب جل کر آتا ہے، ہلکی سی کپکپی سے بخار ہو جاتا ہے، بعض دفعہ اس قدر زور کا جاڑا لگ کر بخار آتا ہے کہ ملیریا کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ کمر اور پیڑو میں درد ہوتا ہے۔ خصوصاً درد کا دورا کمر سے شروع ہو کر پیچھے کی طرف جانگ تک آتا ہے، یوں تو یہ مرض ہر ایک کو ہو سکتا ہے، لیکن خواتین میں یہ مرض عام ہے۔ عفونت گردہ کا وضع حمل اس امکان قوی ہوتا ہے جب بھی یہ مرض ہوتا ہے تو گردے کے کچھ حصے کو زائل کر دیتا ہے۔ مردوں میں اس عفونت کے سرایت کرنے کی وجہ پیشاب کی نالی میں سلائی ڈالنا ہے یا کیتھیٹر پاس کرنا ہے۔ یہ اس وقت ڈالی جاتی ہیں جبکہ مثانے کے غدود بڑھ جاتے ہیں یا کسی وجہ سے پیشاب میں بندش ہو جاتی ہے۔ اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ پیشاب کی نالی میں سلائی ڈالنے کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

گردوں کی خرابی کی اہم وجہ

گردوں کی اقلیم میں پتھری اور سنگ ریزوں کا بننا ہے۔ یہ شکایت ریتیلے اور گرم علاقوں میں بکثرت ہوتی ہے۔ سیمنٹ بجری کا کام کرنے والے میسن اور مزدوروں میں بھی یہ شکایت ہو جاتی ہے۔ اس کی اہم وجہ بچپن سے کم پانی پینے کی عادت ہے۔ اس کا سدِّ باب بھی یہی ہے اور یہی علاج بھی کہ شروع ہی سے پیاس سے زیادہ پانی پینے کی عادت ڈالی جائے، اگر گردوں میں عفونت بھی ہے تو ان عفونتی گردوں پر سنگ ریزے جمنے کا امکان زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس عفونتی مقامات پر سنگ ریزے چپک جاتے ہیں۔ اس سے تحفظ کے لیے یہ بدیہی امر ہے کہ عفونت گردہ کا حتمی علاج کیا جائے، جب تک طبیب دوائی کھانے کا مشورہ دے، دوائیں مسلسل کھانی چاہییں۔

خرابی گردہ کی ایک اور اہم وجہ

خصوصاً بچوں میں حلق اور اس کے آس پاس کے علاقوں مثلاً ناک اور کان کی سوزش بھی ہے۔ ان مقامات کی عفونت کی وجہ سے جسم میں حساسیت پیدا ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں فاد زہر پیدا ہو کر بالآخر گردوں کو ماؤف کرتا ہے، کیوں کہ اس طرح کی سوزش اور عوارض بچپن میں عام ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر توجہ دینا ضروری ہے۔ اس طرح کی سوزش جن جراثیم سے ہوتی ہے، وہ اسٹریپ ٹیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور پینسلین ان کے لیے تیر بہدف ہے، جس کا استعمال ان جراثیم کا قلع قمع کرنے کے لیے ضروری ہے، لیکن یہ معالج کے مشورے سے کیا جائے۔

مستند معالج سے مشورہ

اگر گردے میں پتھری اور مثانے کے غدود بڑھنے کی وجہ سے پیشاب میں رکاوٹ ہو تو پیشاب کا دباؤ پشت کے اطراف گردوں پر پڑتا ہے اور وہ سکڑ کر ناکارہ ہو جاتے ہیں، چناں چہ پیشاب خارج ہونے میں رکاوٹ ہو تو مستند معالج سے ضرور مشورہ کریں۔

جسم میں بے آبی اور بے نمکی

نمک اور پانی کے ضایع کی ایک وجہ اور بھی ہے جو گو یا اس قدر عام نہیں ہے، اہم ضرور ہے۔ وہ جسم کے جل جانے سے جسم میں بے آبی اور بے نمکی ہوتا ہے کہ ان جلے ہوئے حصوں سے مسلسل پانی اور نمک رس کر سخت قلتِ آب و نمک کر دیتا ہے، چناں چہ اس کی تلافی ضروری ہے۔

خرابی گردہ کا یقینی سبب

دافع درد ادویات کے بکثرت استعمال سے بھی گردے خراب ہو جاتے ہیں، مثلاً اسپیرین اور پیراسٹمول بھی یہ خرابی پیدا کر دیتی ہے، بلکہ کوئی بھی دافع درد دوا پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس کا انکشاف ایک انتہائی دل چسپ طریقے سے ہوا" فرانس کے ایک شفاخانے کے ژرف نگاہ زیرک طبیب نے اندازہ لگایا کہ اس شفاخانے میں خرابی گردہ کے جس قدر مریض آرہے ہیں، ان میں اکثریت ایک خاص گاؤں کے رہنے والوں کی ہے، جبکہ دوسرے دیہات کے باشندوں میں خرابی گردہ اس قدر عام نہیں ہے، مزید تفتیش پر پتا چلا اس گاؤں کے باشندے دردِ سر کی دوا" CPA" گولیاں مٹھائی کی ٹیکیوں کی طرح کھاتے ہیں، جن میں شامل جزو فینے سٹین ہے، یوں اس وقت سے دافع درد ادویات خرابی گردہ کا یقینی سبب ہو گئیں۔

گردوں کا متعدد طریقوں سے نقصان

پرانا ملیریا بھی گردوں کو خراب کر سکتا ہے۔ ذیابطیس بھی گردوں کو متعدد طریقوں سے نقصان پہنچاتی ہے، اس لیے اس کا علاج ضروری ہے۔ بھاری دھاتیں، سونا، سیماب جن سے ہمارے یہاں کُشتے بنائے جاتے ہیں، گردوں کو سمیت پہنچا کر خراب کر دیتے ہیں، اس وقت یہ طنز اً کہا جاتا ہے کہ کُشتہ بننے میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی، اس طرح کے عطائی نسخوں سے احتیاط لازم ہے۔ نقرس کا علاج مناسب نہ ہو تو خرابی گردہ کا باعث ہو سکتی ہے۔ ریڈیم سے جب اندرونی علاج کیا جائے یا بلا ضرورت ایکسرے کیے جائیں تو ان شعاعوں سے بھی گردے خراب ہو سکتے ہیں۔ زمانہ حمل کے آخری تین ماہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ گائناکالوجسٹ کے زیرِ نگرانی ادویات استعمال کرنی چاہیے۔ اس دوران سلفر ڈرگ اسٹریپٹومائسین، جنٹیامائسین، ٹیٹرا سکالیں خرابیوں کا سبب بن سکتی ہے۔

گردہ فیل ہونے کی علامات

تمبا کو استعمال کرنے والوں کو مثانے کے سرطان کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے، اگر مریض کے خون میں یوریا بڑھ جائے تو اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، جوں جوں خون میں یوریا اور کریٹینائن کا اضافہ ہو گا مریض کو پیشاب کم خارج ہو گا، چہرے پر سوجن ہو گی، متلی ہو گی، سانس پھولے گا اور پیروں پر سوجن ہو جائے گی۔ یہ تمام علامات گردہ فیل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارا نکاسی کا نظام سہی طور پر کام نہیں کر رہا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ہمارے گھر کا کوڑا کرکٹ نالیوں اور موریوں سے خارج نہ ہو تو تمام کچن اور باتھ روم غلاظت سے بھر جائے گا۔ مرض کی ابتدا میں اگر مریض پرہیز اور احتیاط سے کام لے مثلاً گوشت انڈا اور مچھلی کم سے کم استعمال کرے، گوشت کا شوربہ کھائے، ایسے پھل جن میں وافر مقدار میں پوٹاشیم ہو قطعی استعمال نہ کرے، مثلاً کیلا انگور کھجور، بلڈ پریشر زیادہ ہو تو نمک بھی کم سے کم استعمال کرے، یوں مرض کو قابو میں کیا جا سکتا ہے اور صحت بحال ہو سکتی ہے، ورنہ ڈائلسس کے ذریعے گردے واش کیے جاتے ہیں، یہ بھی عارضی علاج ہے اگر مرض شدّت اختیار کر جائے، گردہ بلکہ ناکارہ ہو جائے تو کسی قریبی عزیز کا گردہ لے کر پیوندکاری کی جاتی ہے۔

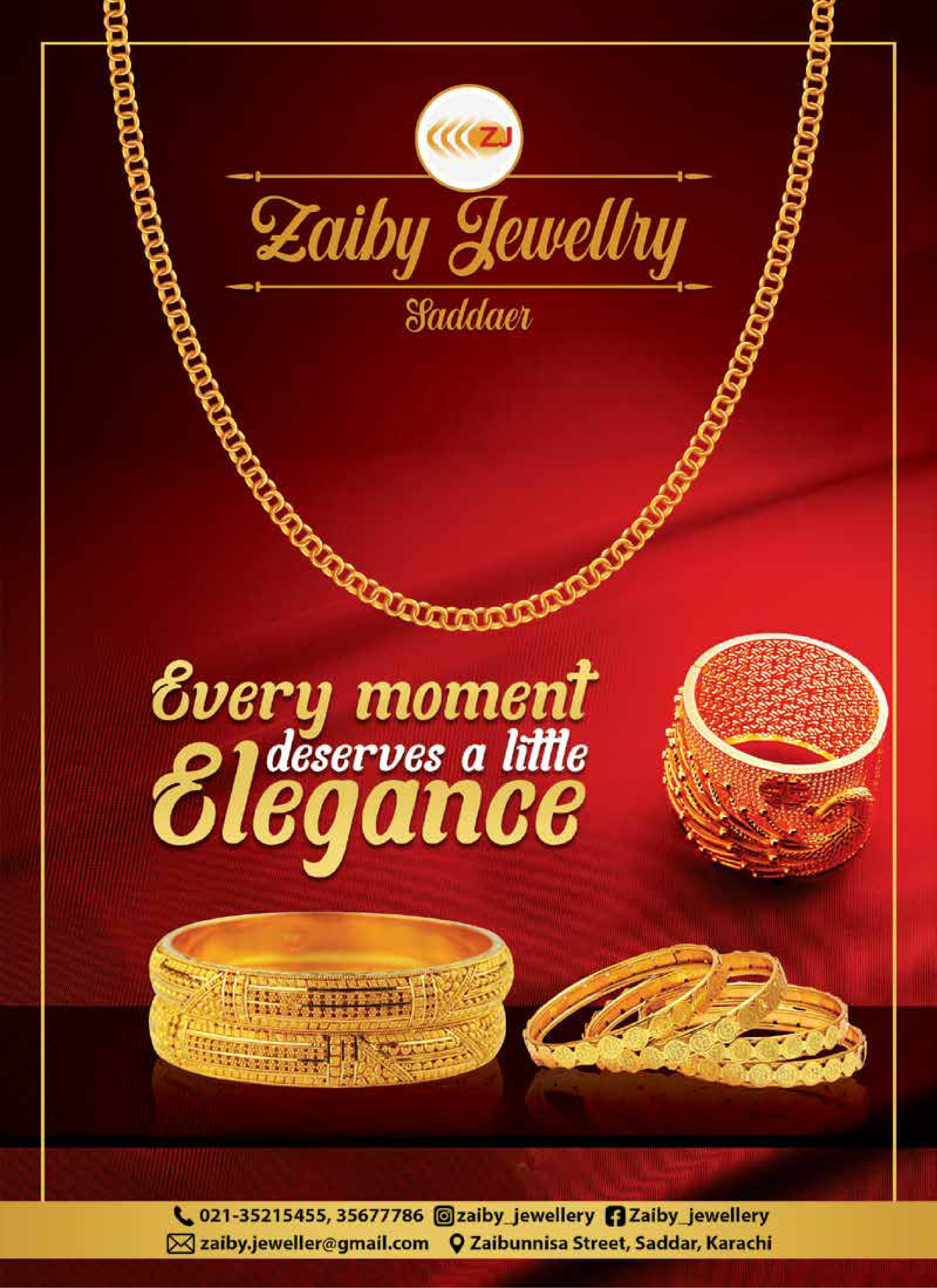
ZJ
Zaiby Jewellry
Saddaer
Every moment
deserves a little
Elegance
021-35215455, 35677786
zaiby_jewellery
Zaiby_jewellery
zaiby.jeweller@gmail.com
Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

دوسری قسط

تیری راہ میں

زینب گوہر

''اچھا بھئی تو آپ ہیں شیلا۔۔۔ میرا نام عافیہ ہے اور میں سمیہ کی بڑی بہن ہوں۔''
اسے سمیہ کی بہن سے مل کر کافی خوشی ہوئی تھی، وہ بھی اس کی طرح خوش مزاج تھی۔ پہلے بھی وہ ایک دو بار سمیہ کے گھر آئی تھی، مگر اس کا تعلق صرف سمیہ سے تھا باقی لوگوں کو وہ زیادہ نہیں جانتی تھی، لہٰذا آج پہلی بار عافیہ سے باقاعدہ ملاقات کر رہی تھی۔
''جی میں شیلا پراکاش''
شیلا جب گھر جانے لگی تو اس کی پڑھائی کے کافی مسائل حل ہو گئے تھے۔ وہ سمیہ اور عافیہ سے رخصت لے کر چل پڑی۔

***

''تم لوگ بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو شیلا! وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے تمہاری کیا کریں گے؟''
سمیہ کے اشارے نظر انداز کرتی عافیہ سنجیدگی سے بولی۔ چند دن میں ہی وہ شیلا کی ذہانت سے معترف ہو گئی تھی، ہر مسلمان کی طرح وہ بھی ایک گم راہ شخص کو راہ راست پر لانا چاہتی تھی۔ سمیہ کے گھر کا ماحول دین دار نہیں تھا، گھر میں ٹی وی تھا، دوپٹہ خواتین گلے میں ہی رہا کرتا تھا، باہر بھی پردے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اسلام کو گہرائی سے نہیں جانتے تھے، لیکن ہر مسلمان کی طرح اسلام، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ان کے دل میں پیوست تھی۔
''میم میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی۔''
شیلا کی ناگواری محسوس کر کے سمیہ نے موضوع بدلا، لیکن عافیہ کہاں باز آنے والی تھی، روز ایک مذہبی بحث چھیڑ دیتی، شیلا چڑنے لگی کیوں کہ اس کے پاس عافیہ کے سوالات کے جواب نہیں تھے، اسے زیر ہونا پسند نہ تھا اور اس مقام پر وہ بری طرح زیر ہو رہی تھی، جس پر اسے تپ چڑھ رہی تھی۔

***

نہم اور دہم جماعت اسی طرح گزر گئی، لاکھ میم سے مذہبی اختلافات لیکن وہ پڑھائی کی وجہ سے اس سارے عرصے میں سمیہ کے گھر جاتی رہی۔ وہ عافیہ کے سامنے اعتراف نہیں کر رہی تھی، مگر اس کے سوالات شیلا کے شبہات مزید پختہ کر چکے تھے۔ دسویں میں سمیہ اور شیلا نے بہت اچھے نمبر لیے تھے۔ شیلا کے والد نے اس خوشی میں دعوت کر ڈالی۔ میم عافیہ نے بھی دونوں کو انعام دیا۔ شیلا کو اپنا میڈیکل کا خواب پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

***

میٹرک کے امتحان کے بعد ہونے والی بے زار چھٹیوں میں شیلا کے پڑوس میں اس کی ایک بہت اچھی سہیلی آ گئی۔ اس کا نام لکشمی تھا۔ وہ شیلا سے پانچ سال بڑی تھی اور گریجویشن کر رہی تھی۔ شیلا اور اس کے والد بھی بہت اچھے دوست تھے، لہٰذا اس کے گھر خوب آنا جانا ہونے لگا۔
لکشمی بے حد صاف ستھرے کردار کی لڑکی تھی، اس کی بچپن سے منگنی ہو چکی تھی، منگیتر کی لاکھ کوششوں کے باوجود کبھی اس سے بات نہ کی۔ لکشمی کو شرابیوں سے نفرت تھی، وہ کہتی تھی کہ ایسی چیز کو میں کیسے پسند کروں جو انسان کی عقل کو زائل کر دے۔ اس کے اپنے خاندان میں شراب پینے کا کم رواج تھا، جبکہ شیلا کے یہاں شراب پانی کی طرح پی جاتی تھی، ہاں پراکاش صاحب حالتِ نشہ میں شیلا سے جھجھکتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں شیلا انہیں برا نہ سمجھے۔
لکشمی اور شیلا کے گھرانوں میں خواتین لباس بھی معقول پہنا کرتی تھیں، مسلمان معاشرے کا اتنا اثر تو ہوا تھا جبکہ شیلا تو باقاعدہ کالج جاتے ہوئے اسکارف کرتی تھی، کیوں کہ گاڑی خراب یا مصروف ہونے کی وجہ سے ویگن پر سفر کرنا پڑتا تھا، وہ اسکارف کر کے خود کو لوگوں کی گندی نظروں سے محفوظ محسوس کرتی تھی۔

***

لکشمی ناول بہت پڑھتی تھی اور ناول میں پڑھی باتیں شیلا کو بھی بتاتی تھی۔
''تمہیں پتا ہے مسلمانوں میں کزن سے شادی بھی ہو سکتی ہے۔''
''کیا؟؟'' شیلا چلائی۔
''ہاں'' لکشمی نے جواب دیا۔
''اور ان کے خدا کے بارے میں کیا پڑھا تم نے؟'' شیلا نے سوال کیا۔
''زیادہ تو سمجھ نہیں آیا، لیکن یہ سمجھ آیا کہ ان کے خدا کا نام اللہ ہے اور اس کو شراکت نہیں پسند۔۔۔''
''شراکت مطلب۔؟؟'' شیلا کے ذہن میں میم کے الفاظ گونجنے لگے: ''تم لوگ اللہ کے ساتھ بتوں کو پوج کر شرک کرتے ہو۔''
''مطلب یہ کہ وہ اکیلا خدا ہے اور یہ بت سب جھوٹے ہیں۔۔'' لکشمی کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔
''لکشمی۔۔۔ کیا یہ بھگوان جھوٹے ہیں، من گھڑت ہیں؟'' شیلا کی آنکھوں میں حیرت تھی، دکھ تھا۔
''پتا نہیں۔۔۔'' لکشمی پہلے تو یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ پھر چند منٹ بعد کہنے لگی:
''شیلا ہمیں یہ سب نہیں سوچنا چاہیے۔'' شیلا نے سر ہلایا۔ لیکن اس کا دل ''شرک'' کے خیال سے کانپ رہا تھا۔

***

لکشمی اور شیلا کی نشستیں طویل ہونے لگیں۔ پہلے وہ گھنٹوں بحث کرتیں، الجھتیں لیکن آخر میں یہی کہتیں کہ ہمیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے۔ آخر ایک دن لکشمی نے حل پیش کیا۔ ''ہم اپنے مذہب کا مزید مطالعہ کرتے ہیں، خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔'' پھر کئی دن دونوں اپنی مقدّس کتابوں کا مطالعہ کرتی رہیں۔ اتنے دنوں کے مطالعے کے بعد دونوں مزید الجھ گئیں۔ ایک اور تنقید کی وجہ سامنے آئی۔
''یہ کیا کہ صرف براہمن ہی بھگوان کے خاص، عبادات میں آگے آگے، دوسرے کیوں نہیں؟''
''تو اور کیا'' لکشمی نے تائید کی۔ اب دونوں اپنے دل سے ''وسوسے'' دور کرنے کے لیے

ماویم زاہدہ

ایک انجان لڑکی، جس کے نام کی خبر تھی نا گھر کا پتا۔۔ میرے قریب آ کر بیٹھی اور مجھ سے میرا نام پوچھنے لگی۔"مومنہ۔۔۔۔۔مومنہ نام ہے میرا! اور آپ کا؟"

" میرا نام چھوڑو، یہ بتاؤ تم مومنہ ہو؟"

"ہاں! پر تم اپنا نام بتاؤ، مجھے بھی تمہیں جاننا ہے۔"میں نے جواب دیا۔

"تم مجھے جانو گی؟ تم خود کو جانتی ہو؟ تم مومنہ ہو نا۔۔تم جانتی ہو مومنہ کون ہوتی ہے؟"

میں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہنے لگی۔

"تم نے کبھی پہلا کلمہ پڑھا ہے؟ تمہیں ترجمہ آتا ہے اس کا؟" وہ کلمہ جس کو پڑھ کر لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں۔

ہم تو پیدا ہی مسلمان ہوئے تھے نا۔ ہماری خوش قسمتی ہے یہ۔

ہم بچپن میں کلمہ رٹ لیتے ہیں اور ہمیں وہ یاد ہو جاتا ہے۔ ہم کلمہ پڑھتے نہیں ہیں، بس سنتے اور سناتے ہیں۔ ہمیں سکھایا جاتا ہے۔

"پہلا کلمہ طیّب، طیّب معنیٰ پاک "لیکن پاک کے معنی کیا ہیں؟ وہ تو کوئی سمجھاتا ہی نہیں ہے۔

اور ترجمہ پڑھتے ہیں، لیکن ترجمے پہ غور نہیں کرتے، خاص طور پر اس میں جو لا ہے۔ اس پہ تو بالکل بھی غور نہیں کرتے۔

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔" بس الفاظ رٹے ہوئے ہوتے ہیں اور پڑھتے رہتے ہیں، حالاں کہ جو یہ کلمہ پڑھتا ہے، اسے تو اللہ سے عشق کرنا چاہیے اور عشق کا پہلا قدم، عشق کی پہلی سیڑھی، پہلی منزل سب کچھ اس لا میں ہے۔ اس لا میں بڑی قوّت ہے۔ لا کہہ کر ساری دنیا کا انکار کر کے الّا سے ایک اللہ کا اقرار ہے اس کلمے میں۔ گویا اس لا کو سمجھیں گے تو ہی کلمہ پڑھنے کا مزہ اور لطف آئے گا۔ یہ "لا" اللہ سے محبت کرنا، اس سے عشق کرنا، اس کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اس کے احکام کی نافرمانی نہ کرنا سکھاتا ہے۔ لا میں ڈوبے بغیر الٰہی کو کیسے پا سکتے ہیں؟

لا۔۔۔اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، جو ہمارے دلوں میں رہتا ہو۔

لا۔۔۔۔اللہ کے سوا کوئی نہیں کے جو ہمیں راہوں پر لائے۔

لا۔۔۔۔۔اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو رحمٰن ہو۔

لا۔۔۔۔۔اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، ہم جس کی عبادت کریں۔

ہم نے لا نہیں سمجھا۔ ہم نے لا کو نہیں پرکھا۔

ہم لا کو ایک لفظ تک محدود رکھے ہوئے ہیں۔

اور اگر وہ کلمہ جس کو پڑھ کر انسان ایک مسلمان بنتا ہے، اس کے پہلے لفظ کو ہی نہیں سمجھیں گے تو ہم لا سے آگے کیسے بڑھیں گے؟

جو ہمارے پاس ہے، ہم اس سے دوری اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہم اس کو سمجھے اور جانے بغیر ہی اپنے دل میں سنبھالے بیٹھے ہیں۔

میں اس کی باتیں سنتی رہی اور سوچتی رہی۔۔۔ کیا آج سے پہلے اس مفہوم کو میں سمجھ سکی تھی۔۔۔؟

ورت رکھنے لگیں۔ بعد میں خود ہی ہنستیں: ''یہ کیسا ورت ہے کہ سب کھاؤ پیو، پس اناج سے پرہیز کرو۔''

''اور کیا! مجھے پتا چلا ہے کہ مسلمان تو اپنے ورت میں کچھ بھی کھاتے پیتے نہیں۔''

''اچھا!'' شیلا متاثر ہوئی۔ ''لیکن اس سب کا کیا فائدہ!! ہم تو۔۔۔ ہندو ہیں۔'' شیلا کی بات پر دونوں اداس ہو گئیں۔

***

''تو جو کوئی بھی ہے مجھ پر حقیقت واضح کر دے، میں تھک چکی ہوں۔''

رات کی خاموشی میں شیلا اپنے گھر کے مندر میں بھگوان کے آگے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ جڑے ہوئے تھے اور آنکھوں میں التجا تھی۔ لکشمی اور شیلا چوں کہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہی تھیں، لہٰذا دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ آج رات سچے دل سے سچے خدا کو پکاریں گے، شاید کوئی راستہ مل جائے۔ بہت دیر بھگوان کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کیں۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے سارے بت اس کی نگاہوں کے آگے سے ہٹ گئے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ ''کیا یہ کوئی اشارہ تھا؟'' ایک دم اسے اس خاموش ماحول سے ڈر لگنے لگا۔ وہ الٹے قدموں اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

***

''شیلا مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سارے بت میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے، مطلب۔۔۔۔'' لکشمی نے گھبرائی آواز میں کہا۔

''یہ حق نہیں، خدا کوئی اور ہے! ہمیں اسے ڈھونڈنا ہوگا۔'' اس نے اپنی کیفیت کو چھپاتے ہوئے لکشمی کے ہاتھ تھام کر کہا۔ اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

''اب کیا کریں گے ہم؟''

''ہمیں بس خدا کی مدد کا انتظار کرنا ہے۔'' شیلا نے بہ ظاہر اطمینان سے کہا، حالاں کہ اس کا دل ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔

***

جب دونوں کے دل ہندو مذہب سے بالکل بے زار ہو گئے اور دونوں دھیرے دھیرے اسلام کی طرف مائل ہو رہی تھیں، انھیں دنوں لکشمی کی ماں کی حالت خطرناک حد تک بگڑ گئی۔ وہ ویسے بھی کافی بیمار رہتی تھیں، مگر اس بار معاملہ ابتر تھا اور اس خرابی حالت میں انھوں نے لکشمی کی شادی کا فوری فیصلہ کیا، چند دنوں کے اندر شادی کا۔ یہ سن کر لکشمی اور شیلا گھبرا گئیں۔

''اب ہم کیا کریں گے لکشمی؟'' شادی کے دن جیسے جیسے قریب آ رہے تھے، لکشمی کی رنگت پیلی پڑتی جا رہی تھی۔ روشنی سے اندھیرے کا سفر بے حد کٹھن ہونا تھا۔

''میں کیا کروں شیلا، میرے ماں باپ مر جائیں گے! میں کیا کروں شیلا؟؟ ایک طرف خاندان کی عزت ہے تو دوسری طرف اللہ! میں کیا کروں؟'' لکشمی رو پڑی۔ ابھی تو دونوں نے کلمہ بھی نہ پڑھا تھا کہ آزمائش دستک دے رہی تھی۔ شیلا لاجواب ہو گئی تھی۔ وہ کیا مشورہ دیتی، چند دن اور گزرے، آج لکشمی کی ودائی تھی۔ دونوں سہلیوں کی آخری ملاقات تھی شاید، کیوں کہ شیلا نے وداع ہو کر کئی سو کلومیٹر دور ایک گاؤں جانا تھا۔

''تم نے کیا فیصلہ کیا لکشمی؟'' سب واضح تھا، مگر شیلا کو لکشمی کی بزدلی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''شیلا بظاہر یہ فیصلہ ایک فرماں بردار بیٹی نے کیا تھا جو اپنے باپ کی پگڑی نہیں اچھال سکتی، لیکن درحقیقت یہ فیصلہ بھی خدا نے کرایا ہے۔'' لکشمی مسکرائی۔

''میں نے اللہ سے بہت دعا کی ہے، اپنے اور اپنے شوہر کے لیے، اللہ ضرور اس کو بھی راہ دکھائے گا، جیسے ہم دونوں کو دکھائی۔''

***

لکشمی وداع ہو کر چلی گئی، پیچھے شیلا اور اس کی سوچوں کو چھوڑ گئی۔ دونوں کی کبھی کبھی فون پر بات ہو جاتی اور بس، ملاقات تو اب دیوانے کا خواب تھی، جانے کب لکشمی نے لوٹنا تھا، لیکن فون پر بھی شیلا اس کے حالات معلوم کرتی رہتی۔

''وہ اچھا اور سمجھ دار انسان ہے، میری بات ضرور سمجھے گا۔''

اگرچہ منزل ابھی دور تھی، مگر لکشمی پُرامید تھی۔ اس کے سسرال میں حد سے بڑھی ہوئی جہالت تھی، آئے روز نیا نیا بت تلاش کرتے تھے وہ، لیکن سنیل (لکشمی کا شوہر) ان چیزوں میں پیچھے پیچھے تھا اور۔۔۔۔

(جاری ہے)

لائے کوئی مثال میرے انتخاب کی!

امِّ نُسیبہ

بس تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ اس کی کیفیت ایسی تھی کہ صبح کا بھولا گویا شام کو گھر لوٹ رہا ہو۔ اس نے بس کی کھڑکی پر پڑے پردے کو سرکا کر باہر دیکھنا چاہا۔ موسم تو ابر آلود پہلے ہی تھا، اب رم جھم کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ ان برستی بارشوں سے اس کی زندگی میں بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ اسے اپنے وجود میں ایک پُرسکون ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ ایسی ٹھنڈک جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی، بس اتنا جانتی تھی کہ وہ پچھلے سال تک اس سکون سے ناآشنا تھی۔ ایمان کی وہ حلاوت جس نے اس کی روح کو اندر تک سرشار کر دیا تھا، وہ بھلا کب واقف تھی اس احساس سے ! ! اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

***

زندگی معمول پر ہی چلتی رہتی اگر ایک روز فاطمہ اپنے باپ اور اپنی کمیونٹی کے ایک بظاہر معزز نظر آنے والے شخص کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سنتی۔

”سر آپ فکر ہی نہ کریں اس بار تبلیغی سفر پر سارے تربیت یافتہ لوگ جائیں گے ہمارے۔“ اس شخص نے کہا تھا۔

”ہمم۔۔ امید تو یہی ہے، مگر سنا ہے اس گاؤں کے لوگ ذرا پکے قسم کے مسلمان ہیں اور وہاں کے ایک امام کے بارے میں بھی معلومات ملی ہیں کہ وہ مسئلہ کھڑا کر سکتا ہے۔“ فاطمہ کا باپ اعظم علی گہری سوچ میں تھا۔

”زیادہ مسئلے کھڑے کرے گا تو راستے سے ہٹا دیں گے اسے۔۔۔ ویسے اس کی نوبت نہیں آئے گی، کیوں کہ ایک شخص کے ایمان کی قیمت لاکھوں میں لگانے کے آرڈر ملے ہیں ہمیں اوپر سے۔ لاکھوں روپے ان کی مٹھیوں میں بھر دیے جائیں گے تو سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائیں گے وہ غریب لوگ۔“ اس کے باپ کا دوست سفاکیت سے بولا تو اعظم علی نے تائیداً گردن ہلائی۔

کمرے کے باہر سے گزرتی فاطمہ کے قدموں کو گویا ان جملوں نے روک دیا تھا۔ نئی باتوں کا ادراک ہوا اور آگہی کے کتنے ہی در ان گھڑیوں میں اس کے لیے وا ہو گئے تھے۔ سوچ کا دائرہ کار بدلنے کے لیے چند لمحے ہی کافی ہو جاتے ہیں۔ پرت در پرت سیاہی کے بادل کیا چھٹنے لگے، اس کی تو گویا زندگی ہی بدل گئی۔ سچے راستے پر چلنے کا قصد کیا تو وہی رب العالمین راہیں بھی اُستوار کرتا گیا جو دلوں کو پھیرنے پر آئے تو کوئی طاقت صراط مستقیم سے ہٹا نہ سکے۔ اس کی کالج کی ایک ہم جماعت اس سارے معاملے میں نہ صرف اس کی ہم راز تھی بلکہ ہر ممکن مدد کو بھی ہر وقت تیار تھی۔ ایک سال گزر گیا وہ خاموشی اور رازداری سے شریعتِ محمدی کا مطالعہ کرتی رہی۔ رب کریم نے اس کے دل میں اپنی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کچھ اس طرح بھر دی کہ دنیاوی رشتوں اور سہاروں کی محبت والفت ماند پڑ گئی۔ انھیں دنوں اس نے ایک پکے قادیانی گھرانے میں اپنا رشتہ اور فوری شادی ہونے کی بات گھر میں سنی۔ اس کو فوری کوئی قدم اٹھانا تھا۔

یہ گزشتہ برس ساون کے مہینے کی بات تھی۔ جب گھنگھور اندھیری رات اور طوفان کے ساتھ برستی بارش میں وہ اپنے گھر سے نکلی تھی۔ ایک سال کے مستقل مطالعے اور ایک سہیلی کے توسط سے ایک جید عالمِ دین کی رہ نمائی کے بعد اس پر ادراک ہو چکا تھا کہ وہ کس دلدل میں دھنسی ہوئی ہے۔ پندرہ دن بعد اس کی شادی ہونا تھی اور آج اس آندھی و طوفان کے ساتھ برستی موسلا دھار بارش میں اسے موقع ہاتھ آ گیا تھا کہ وہ اس گھر سے چلی جائے۔ بارش کے باعث آج اس کے اہلِ خانہ جلد ہی اپنے اپنے کمروں میں سونے کی غرض سے جا چکے تھے۔ ہاں یہ وہی گھر تھا جدھر اس کا بچپن گزرا، اس کے ماں باپ اور جان سے پیارا بھائی جہاں رہتا تھا۔

ایک برسات وہ تھی جو آسمان سے ہو رہی تھی، دوسری برسات وہ تھی جو اس کی آنکھوں سے ہو رہی تھی۔ ایک برسات اور بھی تھی اور وہ تھی رحمتِ خداوندی کی پُرنور برسات جو اس وقت یقیناً اس پر ہو رہی تھی۔ اس نے آخری بار اپنے گھر کو دیکھا۔ دل ڈوب کر ابھرا، اسی لمحے اس کے لبوں پر ایک آیت جاری ہو گئی۔

اَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا اَن يَقُولُوا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ

(کیا خیال کرتے ہیں لوگ کہ ایمان لانے کے بعد وہ ایسے ہی چھوڑ دیے جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے)

پھر اس کے لیے دہلیز پار کرنا آسان ہو گیا۔ ہاتھ میں ذاتی سامان کا چھوٹا سا بیگ تھامے گرجتے بادلوں اور برستی بارش کے بیچ تیز تیز قدم اٹھاتی چلتی گئی۔ اس کے قدم اپنی سہیلی کے گھر کی طرف اٹھنے لگے، جو اس کی ہم راز بھی تھی۔ ہُو کا عالم اور اس پر ستم یہ کہ ٹرانسپورٹ نام کو نہیں۔ بیس منٹوں کا سفر پون گھنٹے میں طے کر کے بالآخر وہ اپنی سہیلی عائشہ کے گھر پہنچ ہی گئی۔ اس کے بعد کا وقت کیسے گزرا یہ وہ اور اس کا رب ہی جانتے ہیں۔ الفاظ ان کیفیات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔

فَمَن يُرِدِ اللهُ اَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ

”پس اللہ جس کسی کو ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ فرما دیتا ہے“ وہ نازک سی مگر چٹانوں سا حوصلہ رکھنے والی لڑکی اس آیت کی جیتی جاگتی مثال تھی۔

مختصراً یہ کہ اس کا باپ جو ”قادیانی کمیونٹی“ کا اثر ورسوخ رکھنے والا بندہ ہے، اس نے ہر ممکن کوشش کی اس تک پہنچنے کی، مگر اللہ کی مدد کے ساتھ ساتھ عائشہ اور مولانا صاحب کا تعاون شامل رہا اور وہ اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر منتقل ہو گئی۔ مولانا صاحب نے ایک اچھا گھرانہ دیکھ کر اس کا نکاح کر دیا۔ جہاں وہ اپنے شریک حیات محمد حسن اور ان کے گھر والوں کے ساتھ ایک مطمئن زندگی گزار رہی ہے۔ اس نے گھر والوں سے رابطے کی کئی بار کوشش کی کہ ان کی ہدایت کی کوئی صورت ہو سکے، مگر ہر بار ہی اسے دھتکار دیا جاتا اور کہا جاتا کہ وہ اب ان کے لیے مر چکی ہے۔

***

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ آنسو اس کے نقاب کو بھگو چکے تھے۔ بس کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو بارش ہنوز جاری تھی۔ ایک برسات اس کے اشکوں کی بھی تھی جو دل پر پڑی قساوت کو دھو چکے تھے۔

بس نے اختتامی بریک لیا۔ یعنی منزل آ گئی تھی اور فاطمہ حسن آج ”مدینۃ النبی ﷺ“ پہنچ گئی۔ اس نے مسکرا کر ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا جو اس کا شریک سفر بھی تھا اور شریک حیات بھی۔

اس نے بس سے اتر کے اس پُرشکوہ منظر کو آنکھوں میں محفوظ کرنا چاہا۔ برسات کے باوجود ماحول میں عجیب سا سکون چھایا ہوا تھا۔ زور سے سانس کھینچ کر اس نے فضا میں

تاریخی فتح کا سبق

آسیہ عمران

6 ستمبر کی صبح دو پاکستانی جہاز معمول کی دیکھ بھال کے لیے محو پرواز تھے کہ ان کی نظر بھارتی فوج کے ایڈوانس پر پڑی، جوایک سمندر کی طرح بڑھتا ہوا آ رہا تھا۔ انھوں نے سرگودھا اور لاہور کو خبر کی اور خود ان پر خدا کا قہر بن کر ٹوٹے۔ حالت یہ ہوئی کہ بھارتی کور کمانڈر میجر جنرل پرشاد جیپ چھوڑ کر کھیتوں میں جا چھپا اور اپنی فوج کو آگے بڑھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی جگہ جنرل مہیندر سنگھ کو کمانڈ دی گئی اور وہ بھی ناکام ہوا۔

سخت آزمائش کا وقت تھا۔ سیالکوٹ کے محاذ پر پاکستانی توپوں کا مقابلہ بھارتی ٹینکوں سے تھا۔ کہاں توپیں اور کہاں ٹینک۔ بھارت ہراول پوزیشنوں کو روندتے ہوئے توپخانے پر چڑھ دوڑا۔ ہمارے دلیروں نے ایسے میں بہادری کی لازوال داستان رقم کی۔ سینے پر توپوں کے گولے باندھ کر ٹینکوں کے سامنے لیٹ گئے۔ ٹینکوں کا بڑھتا ہجوم اچانک ہی زبردست دھماکوں سے آگ کے الاؤ میں تبدیل ہوا اور پھر یہ مقام ٹینکوں کے قبرستان کے نام سے موسوم ہوا۔ دنیا حیران کہ ٹینک شکن ٹیکنالوجی پاکستان نے کب ایجاد کی۔

7 ستمبر کو سرگودھا کے انتہائی اہم مرکزی کردار کے حامل ہوائی اڈے پر دشمن کے طیارے چنگھاڑتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ کنٹرول روم کی عقابی بصیرت نے معاملہ بھانپتے ہی ایم ایم عالم اور مسعود اختر کو ان کا پیچھا کرنے کو کہا۔ ایم ایم عالم کی نظر ہنٹر طیاروں پر تھی کہ ایک طیارے نے درختوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی اور ایم عالم کے میزائل کی زد میں آ گیا۔ اتنے میں سگنل کے اشارے پر دوسرا میزائل داغا۔ وہ بھی عین نشانے پر لگا۔ ایسے میں کئی اور طیارے دوڑتے نظر آئے۔ محمود عالم پلٹ کر ان پر بھی جھپٹے اور تین مزید طیارے مار گرائے۔ اس طرح ایک منٹ میں پانچ طیارے گرانے کا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا۔ ایسے ہی کئی شاہینوں اور توپچیوں نے مجموعی طور پر دشمن کے ایک سو دس طیارے تباہ کیے، جن میں سے 35 فضا میں 43 کو زمین پر اور 32 کو طیارہ شکن توپوں سے تباہ کیا گیا۔

سمندر کے حالات ملاحظہ ہوں: جنگ شروع ہوتے ہی پاکستان کے بحری جنگی جہاز، کروز، سرنگوں کو تباہ کرنے والے جنگی جہاز اور ٹینکر جنگی سازوسامان کے ساتھ حفاظتی گشت پر روانہ ہوگئے۔ بعد ازاں انھیں دوارکا مشن میں شامل کیا گیا۔ پاکستان نیوی کے سات جہازوں نے نصف شب

کو دوارکا میں پوزیشنیں سنبھال لیں۔ بلیک آؤٹ نے شہر پر گویا بے بسی تان رکھی تھی۔ چند منٹوں میں ہمارے جوانوں نے پچاس پچاس راؤنڈ فائر کیے۔ دشمن اس اچانک افتاد پر حیران اور ششدر رہ گیا۔ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا۔

اس معرکے سے ایک جانب بھارت کا کراچی پر حملے کا منصوبہ خاک میں مل گیا تو دوسری طرف پندرہ ہلاکتوں کے ساتھ ان کا انفرااسٹرکچر تباہ ہو کر رہ گیا۔ سیمنٹ فیکٹری راکھ کا ڈھیر بنی اور رن وے مکمل تباہ ہوا۔

پاک بحریہ کی سبقت کی ایک اور شکل آبدوز غازی تھی۔ ایسی آبدوز پورے خطے میں نہیں تھی۔ پوری جنگ کے دوران یا تو بھارتی جہاز مرمت ہوتے رہے۔ اگر نکلے بھی تو ڈرتے ڈرتے غازی کی تلاش میں۔ ایک دفعہ تو بحری اور فضائی افواج نے مل کر غازی کی تلاش کی مگر ناکام رہے۔ اسی ناکامی پر بھارتی کمانڈران چیف کو برطرف کر دیا گیا۔ بھارتی نیوی کو غیر یقینی کیفیت میں مبتلا کر کے محدود کرنا۔ پاکستان کی عسکری تاریخ کا عظیم کارنامہ تھا۔

یہ تو چند جھلکیاں ہیں۔ اس جنگ کا لمحہ لمحہ جرات اور ولولوں کی عظیم داستانوں کا گواہ ہے۔ اس سترہ روزہ جنگ کے آخر میں اپنی طاقت پر نازاں دشمن گھٹنے ٹیکے بچاؤ کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اس کا طویل رقبہ اب پاکستان کے قبضے میں تھا۔ خدشہ تھا کہ یہی صورتحال رہی تو بھارت مزید ہزیمت اٹھائے گا۔ اس کی فوج اب ایک شکست خوردہ فوج تھی۔

جنگ 1965 نے پاکستانی فوج اور قوم کے ناقابل فراموش اور جرات مندانہ قصیدے رقم کیے۔ جسے دشمن کبھی نہ بھلا پائے گا۔ بھارت نے نصف صدی بعد 1965 کی جنگ پر بحث کو پھر سے اٹھایا۔ مقصد شاندار تاریخ کو مسخ کرنا تھا۔ دراصل بھارت سے کبھی برداشت نہیں ہوا۔ اس سے طاقت میں کئی گنا کم زور پاکستان نے اس کو عبرت ناک ہزیمت سے کیسے دوچار کیا اور اس کے ناپاک عزائم کو خاک ستر کر ڈالا۔ یہ دراصل حق و باطل کا معرکہ تھا۔ کفر پر قوتِ ایمانی کی فتح تھی۔ قوم کے اتحاد واتفاق کا نتیجہ تھا، جسے دنیا نے حیرت سے ناقابلِ یقین فتح کے طور پر دیکھا۔ ہر شخص وطن پر سب کچھ وار دینے کے جذبے سے لبریز تھا۔ بچہ بچہ نور ایمانی اور جذبہ وہمت کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ یہ جذبہ ہی تھا کہ رب کریم نے واضح نصرت اتاری اور قوم اس عظیم امتحان میں سرخرو ٹھہری۔ میدانِ جنگ میں حاصل ہونے والی فتح حکمرانوں نے مذاکرات کی میز پر کیسے ہاری ایک الگ داستان ہے۔۔۔۔

آج اس جذبہ ایمانی کو کئی خطرات درپیش ہیں۔ اس دن کا پیغام ہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ دشمن کی چالوں کو سمجھیں۔ اللہ کی رسی کو تھام کر ایک ہوں۔ کوئی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اپنی تاریخ کو ازبر کریں۔ نسلوں کو شاندار ماضی منتقل کریں کہ دشمن کا ارادہ اب آپ سے احساسِ فتح بھی چھین لینے کا ہے۔

بکھری مسحور کن خوشبو کو اپنے وجود میں اتارا۔ اشکوں کی برسات ہنوز شکرانے کے طور پر جاری تھی، مگر آج ان اشکوں کو جس سرزمین پر گرنا تھا، وہ بابرکت زمین اس کے آنسوؤں کی قیمت کو بڑھا رہی تھی۔ مقامِ شکر تھا کہ وہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ درِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حاضر تھی۔

میں نے پسند ذاتِ محمد کو کرلیا
لائے کوئی مثال میرے انتخاب کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

ہوٹل میں سامان رکھ کر اس سے مزید صبر نہ ہو سکا اور حرم مدنی ﷺ کی جانب روانہ ہوگئے۔

جنت کا سودا

ناجیہ شعیب احمد

رات کے گہرے ہوتے مہیب سائے کو جلتی لکڑیوں کا ایک گٹھا شکست دینے میں مصروف تھا۔ سرد موسم، وسیع صحن کو آہستہ آہستہ اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ ٹھنڈ سے کپکپاتے دو سائے بھوت نگر میں گھومتی چڑیلیں معلوم ہو رہے تھے۔ سارا گھر اداسی اور ویرانے کی موٹی چادر تانے سائیں سائیں کر رہا تھا۔ رانو اپنا ادھ کٹا بازو آگ کے سامنے پھیلائے اکڑوں بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اس کے دونوں روبوٹک ہاتھوں میں سے ایک پاس ہی زمین پر دھرا ہوا تھا جب کہ دوسرا چارپائی کی پائنتی پر رکھا ہوا تھا۔ اماں اپنے دونوں ہاتھ آگ سے سینکتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ وہ اپنا دایاں ہاتھ آگ پر کچھ دیر رکھتیں اور پھر اسے منہ پر پھیر لیتیں۔ ان کی نگاہیں مسلسل رانو کے چہرے پر گڑی تھیں، جو کافی دیر سے نیچے جھکا ہوا تھا۔ اماں کے کئی مرتبہ پکارنے پر جب رانو متوجہ نہیں ہوئی تو انھوں نے جھلا کر سلگتا ہوا ایک انگارا اس کی بائیں جانب اچھالا جو اس کے پلّو کو چھوتا ہوا دور پرے جا گرا۔ رانو ہڑبڑا گئی اور بدحواس ہو کر پیچھے کو گر گئی اماں جھنجھلا کر اٹھیں اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سیدھا کرتے ہوئے بولیں:

"نی جھلیے! کب سے تجھے پکارے جا رہی ہوں، گھڑی گھڑی کہاں کھو جاتی ہے؟"

"اماں!" آنسوؤں کا گولا رانو کے حلق میں اٹک سا گیا۔

"کیا ہے رانو؟ یہ جو تو ہر وقت بات بے بات ٹسوے بہاتی ہے، سارے گھر والے بے زار ہو گئے ہیں۔ اپنی معذوری کو تو نے اپنی مجبوری بنا دیا ہے۔" اماں نے اسے گھرکا۔

"اماں! آپ کو نہیں لگتا ان لوگوں نے ہمارے ساتھ بہت غلط کیا ہے؟" رانو کی آواز میں درد صاف ظاہر تھا۔

"اے کڑیے! احسان فراموشی کی باتاں کرنا چھڈ دے۔ رب دا شکر ادا کر، اس کے بندوں کا احسان مان۔ کہاں تو بے کار معذور پڑی تھی، یہاں غریبی کی حالت میں کوئی تجھے پوچھنے والا بھی نہیں تھا۔ گل سڑ رہی تھی تو، دیکھ انھوں نے تیری زندگی بدل ڈالی۔ اب تو اپنے پیو کی خواہش پوری کر سکتی ہے۔ میری قابل بیٹی خود کو یوں ضائع نہ کر۔" حسبِ عادت اماں نے اردو پنجابی ملا کر رانو کو پچکارتے ہوئے سمجھایا۔

اس کے آنسو ابھی بھی جاری تھے، پر زبان بولنے سے قاصر تھی۔ اس نے اپنے ٹوٹے وجود میں ہمت پیدا کی، آنسوؤں سے تربتر چہرہ اٹھا کر وہ زخمی آواز میں بولی: "اماں آپ لوگوں کے پاس لے دے کے بس ایک ہی دولت بچی تھی، آپ نے اس کا بھی سودا کر ڈالا!! کیوں؟"

***

بھاگو! ارے جلدی کرو پانی لاؤ پانی یہ آگ بہت تیزی سے بھڑکتی جا رہی ہے، یہاں ڈالو پانی! اِدھر ڈالو۔ دیوانوں کی طرح آگ بجھاتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ بازوؤں تک بری طرح جھلس گئے تھے۔ ادھ جلی لکڑیوں کے ملبے تلے دبے ابا کو اپنے سامنے صحیح سالم پا کر وہ کلمۂ شکر بجا لائی تھی۔ البتہ تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی، جسے برداشت کرتے ہوئے وہ مسلسل اپنے رب کو پکار رہی تھی۔ ابا اپنے گھر کھیت کھلیان کا نقصان سہ گئے تھے، لیکن اپنے خوابوں کی تعبیر کو یوں جھلسا ہوا دیکھ کر وہ اپنے حواس کھو بیٹھے۔ انھوں نے مایوسی میں اَول فول بکنا شروع کر دیا۔ ان کے مستقبل کی ڈاکٹر بیٹی انھیں بچاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے معذور جو ہو چکی تھی۔ سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا تھا۔ وہ پائی پائی کو محتاج ہو گئے تھے۔ ایسے تنگ حالات میں رانو کو مناسب توجہ اور علاج کیسے میسر ہوتا؟ بڑے بڑے پانی والے آبلے بڑھتے بڑھتے ناسور بن گئے اور زہر اندر ہی اندر پھیلاتا ہی چلا گیا۔ لاڈلی بیٹی کی تکلیف اماں ابا کو ایک کروٹ چین لینے نہ دیتی۔

گاؤں میں ابا کے ساتھ دو زمین داروں کا بھی سارا گھر بار جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ وہ سبھی روٹی روزی کے لیے پریشان تھے۔ دو چار دن آس پاس کے گھروں سے مدد آتی رہی، مگر آخر کب تک کوئی لمبے چوڑے کنبے کی روٹی پانی کا بندوبست کرتا، فاقے پڑنے لگے۔ ایسے میں گاؤں میں انسانی حقوق کی تنظیمیں آ گئیں اور انھوں نے گاؤں والوں کو یقین دلایا کہ وہ ہر طرح سے ان کی مدد کریں گے۔ نئے گھر تعمیر کروا کر دیں گے، راشن پانی کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ وہ بیماروں، معذوروں کا مفت علاج بھی کروائیں گے۔

یہ سن کر ابا کی باچھیں کِھل گئیں۔ ابا تو پہلے ہی اپنے خدا سے (نعوذ باللہ) بدظن ہوئے بیٹھے تھے، چھوٹتے ہی بولے: "پر جی ہمارے پاس آپ لوگوں کو دینے کے لیے پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔"

"ہمیں آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ ہماری مراعات حاصل کرنے کے لیے آپ کو ہم پر آنکھ بند کر کے بھروسا کرنا ہوگا۔ ہمارا بھرپور ساتھ دینا ہوگا۔ بولیے منظور ہے؟" نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیم کا نمائندہ بولا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں مائی باپ ہو آپ! ہماری مشکل گھڑی میں مدد کر رہے ہو ہماری۔ ہم راضی ہیں جی، ہمارا پورا گھر راضی ہے۔ اوو وڈے ملک لے جا کر ایند اعلاج ہو جاسی۔ اس توں ودھ کے ہور کی چاہیے۔" اماں خوب بڑھ چڑھ کے بول رہی تھیں۔

لیکن رانو کے ذہن کے کسی گوشے میں انجانا خدشہ کلبلا رہا تھا۔ یہ لوگ ہمارے خاندان کے لیے اتنا کچھ کریں گے اور بدلے میں انھیں کچھ نہیں چاہیے، کہیں تو گڑبڑ ہے؟ رانو ایک ذہین و فطین لڑکی تھی۔ اس نے قرآن مجید پورا پڑھ رکھا تھا۔ پاس والے گاؤں کی باجی رقیہ کے گھر درس میں بھی جایا کرتی تھی۔ رانو اپنے مذہب اسلام کے متعلق میں بہت کچھ جان چکی تھی، جبھی اس نے اپنے بڑوں کے ساتھ عقل والی باتیں کرنا شروع کر کے ان کی غیرتِ ایمانی کو بیدار کرنے کی کوشش کی، پھر تو جیسے پورے گھر میں بھونچال آ گیا۔ اماں ابا نے جھلی کہہ کر اسے پرے دھکیل دیا، بھائیوں نے پگلی کہہ کر مذاق اڑایا اور بھابھیوں نے نخوت سے ناک سکیڑتے ہوئے کہا:

"ہونہہ! بڑی آئی علّامہ بی۔"

ایسے میں رانو چپکے چپکے اپنے اللہ کو پکارا کرتی۔ وہ سب آزمائشوں سے گزر کر آسائشوں کے سمندر میں ڈوب رہے تھے اور وہ ان سب کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ مگر کسی نے بھی اس کی ایک نہ سنی اور اسے علاج کی غرض سے سات سمندر پار بھیج دیا گیا۔

پرائے دیس میں این۔جی۔اوز کے روح رواں مسلمانوں کے بھیس میں قادیانی تھے۔ جدید ٹیکنالوجی کی آڑ میں قادیانی، عیسائی مشنری اپنا گھناؤنا کاروبار چمکا رہے تھے۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی رانو جیسی اپاہج، معذور و بے بس غریب، مگر ذہین و فطین لڑکی کو مصنوعی ہاتھ و بازو دے کر اس کی صلاحیتوں کو اپنے شکنجے میں جکڑنا اور گاؤں والوں کو دنیاوی آسائشیں و مراعات فراہم کر کے انھیں ایمانی دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم کرنا تھا۔

رانو کے زخموں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اس کے ایک ہاتھ اور ایک بازو کو کاٹ کر علاحدہ کر دیا گیا۔ انتہائی نگہداشت کے بعد اس کے بازوؤں کے زخم مندمل ہونا شروع ہو گئے۔

چند ماہ بعد رانو اس نئی ٹیکنالوجی سے فیض یاب ہو کر ہشاش بشاش اپنے وطن اپنے گاؤں واپس لوٹ آئی۔ اس کے روبوٹک ہاتھوں کو دیکھنے کے لیے پورا گاؤں اُمڈ آیا تھا۔ گاؤں کا ہر دوسرا شخص این۔جی۔او کی شان میں رطب اللسان تھا۔ ابا کی تو جیسے لاٹری کھل گئی تھی۔ اماں ابا اپنی لاڈلی کی خوب بلائیں لے رہے تھے۔ وہ چھ ماہ پرائے دیس میں انجان لوگوں میں رہ کر آئی تھی، مگر اپنے دیس کی بدلی فضا اور اپنوں کے انوکھے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اس کا ماتھا بری طرح ٹھنکا تھا۔

اماں دونوں ہاتھوں سے اپنوں پرائیوں کی مبارک باد اور این جی اوز والوں کی عنایات سمیٹنے میں مصروف تھیں۔ ڈھیروں پھولوں کے ہاروں سے لدی رانو کے اعصاب چٹخنے لگے، بالآخر ضبط کے

غور کیجیے!

ام ایمن

چچا عبدالرؤف کے ذمے تھا ہر روز ایک کہانی سنانا۔ ان کی سنائی ایک کہانی ان دنوں شدّت سے یاد آرہی ہے۔ جسے سنتے ہی سوچا تھا یہ جھوٹی کہانی ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کوئی اتنا اندھا کیسے ہو سکتا ہے۔ چلیے پہلے کہانی سنتے ہیں۔ تبصرہ پھر سہی۔ کہانی یہ تھی کہ ایک چڑیل تھی جو ایک خوب صورت شخص پر فدا ہو جاتی ہے۔ وہ بازار سے خوب صورت کپڑے اور میک اپ خرید کر دلہن بنتی ہے اور اس لڑکے کے گھر جا پہنچتی ہے۔ لڑکے کی ماں خوب صورت دلہن کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔ اسے اندر لاتی ہے اور دو دن میں گھر والوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ خاتون خانہ اسے بہو بنانے کا ارادہ کر کے انتظامات کرنے لگتی ہے کہ اتنے میں ماموں جان آتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہی پہچان جاتے ہیں کہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اس میں چھپی چڑیل کا سراغ پا جاتے ہیں۔ خاندان بھر کو اس کی اصلیت بتاتے ہیں کہ دراصل یہ دلہن نہیں چڑیل ہے۔ کوئی ان کی بات نہیں سنتا۔ ماموں جان خاندان کے سامنے دہائی دیتے ہیں، پھر منت ساجت پر اتر آتے ہیں، مگر ان کی بات کوئی نہیں سنتا اور نکاح ہو جاتا ہے۔ ان کی چیخ و پکار سب بے کار جاتی ہے۔

دوسرے دن ماموں جان صبح سویرے بے چینی میں گھر آتے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، بیچ صحن پورے گھر والے بے ہوش پڑے ہیں اور وہ ایک ایک کا خون چوس رہی ہے اور ساتھ بڑے بڑے دانتوں ٹپکتے خون کے ساتھ قہقہے لگا رہی ہے۔

بھلا یہ کیا بات ہوئی، کوئی چڑیل کو نہ پہچانے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے بستر پر جاتے سوچا تھا، لیکن دل بھی کانپ رہا تھا۔

گزشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ڈومیسٹک وائلنس بل منظور ہونے کے بعد سے یہ کہانی سچی لگ رہی ہے۔ جہاں دلہن بنا سیکولر ایجنڈا مغربی رنگ روپ میں انسانی حقوق کی خوش نما چادر اوڑھے قبولیت کا منتظر تھا اور سدرد دل رکھنے والے سینیٹر حضرات دہائی دے رہے تھے۔ خدارا اسے پہچانو۔ ہوش کے ناخن لو۔ اس کی قبولیت ہمارے آخری قلعے خاندانی نظام پر کاری ضرب ثابت ہوگی، مگر یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ کسی نے نہ سنی اور قبولیت کے مراحل طے پا گئے۔ اللہ کی پناہ! اس سے آگے سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

یہ کہانی اس سے ذرا مختلف موڑ مڑی ہے۔ دردمند سینیٹر کی آواز پر ایک دردمند طبقہ اس کا ہم آواز ہوا اور اب یہ (بہ ظاہر) خوش نما بل آئین پاکستان کی روشنی میں جانچ پرکھ کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

علما، دردمند صحافی، سول سوسائٹی، علما کونسل اور نوجوانوں نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈالا ہے اور اس بل کی بعض دفعات کو اساس پاکستان، ثقافتی اور سماجی روایات کے اور شریعتِ اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں گھریلو تشدّد کی حقیقت سے انکار نہیں، جس طرح پوری دنیا میں گھریلو تشدّد اور خاص طور پر مغربی ممالک میں اپنی انتہائی شکل میں موجود ہے۔ پاکستان میں بھی بالمقابل کہیں کم درجے میں موجود ہے، بلکہ ہماری عینک سے دیکھا جائے تو مغرب کا کم زور طبقہ انتہائی عبرت ناک حالت میں ہے۔ جہاں فطری تقاضوں کی تکمیل تک کا سامان نہیں۔ اس سے زیادہ تشدّد کی کیا صورت ہوگی کہ ایک معاشرہ معصوم بچوں کو ماں کی نرم آغوش سے چھین کر پیشہ ور ہاتھوں کو سونپ دیتا ہے۔ ایسے میں اقوام متحدہ کو اسلامک بل پیش کرتے ہیں کہ دنیا بھر کے رستے ناسوروں کا علاج ممکن ہو۔

اور ہم اپنی سماجی اقدار اور منفرد، مخصوص مسائل کی روشنی میں مسئلے کی حقیقت سمجھ کر اسلام کے مکمل اور اعلیٰ ترین قانون میں اپنے مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں کہ مغرب سے کاپی پیسٹ قانون کی کیا اوقات کہ ہمارے مسائل حل کرے۔ مسئلہ کہاں ہے۔ اس کی خبر بھی ہے اور حل کیا ہے۔ ہم پر عیاں ہے۔ عمل کے لیے دیانت دار قیادت درکار ہے۔

اس وقت شعور کی لہر بتاتی ہے کہ بے داری کا عمل شروع ہو چکا۔

پلوں کے نیچے سے چاہے پانی بہت گزر چکا۔ ابھی بہت کچھ باقی ہے۔

بے داری میں تیزی کی ضرورت ہے۔ تصور کیجیے! اس معاشرے کا جہاں باپ کو بچوں کی تربیت کا حق ہی نہ ہو۔ اولاد شتر بے مہار رنگ رلیاں منائے، میاں بیوی قانون کے ڈر سے ایک دوسرے سے جڑے ہوں۔ صلہ رحمی، الفت، بے لوث اور بے غرض رشتے تعلق داریاں نہ ہوں۔ شرم و حیا اور احترام نہ ہو۔ گلیوں محلوں اور سڑکوں پر حیوانیت اور درندگی کے مظاہر نظر آئیں اور آپ کو روکنے کا حق تک نہ ہو کہ یہ تہذیب یافتہ مہذب معاشرے کے مظاہر ہیں۔ جہاں باپ کو تلاش کرنا پڑے اور فیملی کی عجیب و غریب صورتیں نظر آئیں۔ بوڑھوں کی باتیں ٹارچر اور بچوں کی کلکاریاں ڈسٹربنس پیدا کرتی ہوں۔ ایسی زندگی بھی بھلا کیا زندگی ہوگی۔

سارے بندھن توڑ کر وہ بول ہی اٹھی: ”اماں! کیا فائدہ ایسے بازوؤں کا؟ مصنوعی بازو دے کر ان عیاروں نے ہمارا ایمان خرید لیا ہے۔ نہیں چاہیے ہمیں ان کی بھیک میں ملی عنایات۔“

رانو نے واشگاف لفظوں میں سب کو این۔ جی۔ او کی مراعات لوٹانے کا کہا، مگر ان سب نے صاف انکار کر دیا۔ آسائشیں لوٹانے کا سنتے ہی وہ سب واہی تباہی بکنے لگے۔ گاؤں کی عورتیں اسے غصے سے گھورنے لگیں۔ ابا اماں نے اس کے حق میں ایک لفظ بھی نہ کہا، وہ گم صم کھڑے ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے۔ سب برادری والے اسے ناشکری، احسان فراموش گردانتے ہوئے لعن طعن کرنے لگے۔ مگر نڈر رانو ایک اکیلی اس محاذ پر ڈٹی رہی۔ اس نے کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے بے جگری سے کہا:

”میں اچھے اور شاندار مستقبل کے لیے اپنے بیش قیمت ایمان کا سودا ہرگز نہیں کر سکتی۔“

یہ کہتے ہوئے رانو نے نفرت سے غیروں کا عنایت کردہ مصنوعی بازو منہ کی مدد سے نوچ کر اکھاڑ پھینکا۔ گاؤں والوں کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

اس نے فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور تڑپتے ہوئے زمین پر گر پڑی، چہرے کو مٹی پہ رگڑتے ہوئے کہنے لگی: ”آقا کے دشمنوں سے یاری ہرگز نہیں۔ رسول اللہ معاف کر دیجیے، ہم نادان ہیں! ہم سے غلطی ہو گئی! وہ آہ وزاریاں کر رہی تھی۔“

گاؤں والے سکتے میں آگئے تھے۔ رانو کے خاک آلود چہرے آہ و بکا نے ابا کی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ندامت سے سر جھکا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑے۔ وہ تصور میں اللہ کے پیارے نبی امام الانبیا خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دربار میں دونوں ہاتھوں کو جوڑے گھگیاتے ہوئے اپنی غفلت و نادانی کی معافی مانگ رہے تھے۔ صرف چند ٹکوں اور ختم ہو جانے والی آسائشوں کی خاطر انھوں نے اپنے خالقِ حقیقی سے نالاں ہو کر اپنا دین ایمان غیر کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔ گاؤں کے ناخواندہ، توہم پرست اور بدعقیدہ لوگوں کے نقار خانے میں طوطی کی آواز کسی نے نہ سنی، مگر رانو کے دل سے نکلی صدا عرشِ معلیٰ پر جا پہنچی تھی۔

رانو، ایک بلند حوصلہ لڑکی جس کی ثابت قدمی اور استقلال نے اپنے آقا ﷺ کے دشمنوں کی مدد قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، وہ جس نے مدد کی آڑ میں دشمنانِ اسلام کی بیش بہا پیشکشوں کو ٹھکرا کر اپنی جمع پونجی، اپنی متاعِ کل ایمان کو گروی رکھنے سے بچا لیا تھا۔ وہ مطمئن تھی کیوں کہ اس نے دنیاوی آسائشوں کے عوض اپنے پیارے نبی کی شفاعت کا سودا کر لیا تھا۔ کیا ہوا جو آج بھی وہ دونوں ہاتھوں سے معذور ہے، مگر وہ پرعزم ہے۔ باجی رقیہ کہتی ہیں کہ اس نے اللہ کے محبوب ﷺ کی خاطر دنیاوی نعمتوں کو ٹھکرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دو پر والے بازو عطا فرمائیں گے، تب وہ جنت میں اڑتی پھرے گی اور رانو آمین کہتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس دیتی ہے۔

قربانی رائیگاں نہیں جاتی

عمارہ فہیم

"خالہ ! ہانی کہاں ہے؟" حمنہ ہانی کی کزن تھی اور دونوں ایک ہی گھر میں الگ الگ فلور پر رہتی تھیں، ہانی کی امی حمنہ کی خالہ بھی تھیں اور چچی بھی۔

"پیچھے صحن میں اکیلی بیٹھی ہے اور سب کو کہا ہے کہ کوئی اسے پریشان نہ کرے اس وقت" انھوں نے اپنا کام کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ہیں ! یہ کیا بات ہوئی، گھر میں دعوت ہے اور میڈم کام سے جان چھڑا کر کونہ پکڑ کے بیٹھی ہیں، ابھی خبر لیتی ہوں۔" حمنہ نے خالہ کو مصروف اور کام سے ہلکان دیکھ کر کہا اور ہانی کی طرف چل دی

***

"واہ بھئی ! آج کل تو لوگ بڑے کام چور ہوگئے ہیں۔" حمنہ نے ہانی کو صحن میں ٹہلتا دیکھ کر پیچھے سے آواز لگائی۔

"تم ! یہاں کہاں سے آگئیں۔" ہانی نے حیرت سے پوچھا۔

"اپنے پیروں سے چل کر۔" حمنہ بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

"اففففف ! یار امی کو کہا تھا آج مجھے کوئی بھی ڈسٹرب نہ کرے۔" ہانی نے رجسٹر رکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا کیا ہوگیا میڈم ! دعوت کے سارے انتظامات خالہ کریں اور تم یہاں کام چوروں کی طرح بیٹھی رہو۔" حمنہ نے ذرا تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہیلو ! کام چور نہیں ہوں میں، بہت محنتی بچی ہوں اپنی اماں کی تمیں ہ کیا پتا کتنی ٹف لائف ہے میری، پریزنٹیشن کی تیاری کر رہی ہوں۔" ہانی نے ترکی بترکی جواب دیا۔

"اوہو ! ٹف لائف، کیا بات ہے بھئی ! ذرا ہم بھی تو جانیں ایسی کون سی پریزنٹیشن ہے محترمہ کی۔" حمنہ نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی ! 6 ستمبر آرہی ہے اور مجھے یوم دفاع پر پریزنٹیشن تیار کرنی ہے اور تقریر بھی کرنی ہے، تم مدرسے والوں کو کیا معلوم کہ یوم دفاع، یوم آزادی جیسے دن کتنے اہم ہوتے ہیں اور ان میں کتنی محنت سے ہر چیز پیش کی جاتی ہے۔" دونوں کزنیں اب تک ساتھ ہی پڑھتی آئی تھیں، مگر انٹر کے بعد حمنہ نے مدرسے میں داخلہ لے لیا تھا۔ ہانی کا بھی عام لوگوں کی طرح یہی خیال تھا کہ مدارس والے گنوار، فقیر ہوتے ہیں۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک الگ جہاں میں بسنے والے لوگ۔۔۔

"اچھا مجھے بھی دکھاؤ اپنی پریزنٹیشن اور سناؤ اپنی تقریر اس طرح تمہاری جھجک بھی نکل جائے گی اور جو کمی ہوگی وہ تمہیں سمجھ بھی آجائے گی۔" حمنہ نے ہانی کی بات پر بھڑکنے کے بجائے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں ! یہ ٹھیک ہے دیکھو !" ہانی نے جلدی سے کارڈ شیٹ نکالی جس پر 6 ستمبر کے مناسبت سے ایک بہت خوب صورت پینٹنگ کی گئی تھی، جس میں ملک پاکستان کی بری و بحری افواج کی مختلف کارکردگیوں کو نمایاں کیا گیا تھا اور ایک طرف چند جملے لکھے ہوئے تھے۔

یوں بھی عبادت ہوتی ہے ہم یوں بھی عبادت کرتے ہیں
اسلام کے گلشن کی ہم جان دے کر حفاظت کرتے ہیں
جینے کا ہمیں کوئی شوق نہیں مرنے کی ہمیں فکر نہیں
مر کر بھی زندہ رہتے ہیں جو وطن کی حفاظت کرتے ہیں

"ماشاء اللہ ! یہ تو بہت پیارا لگ رہا ہے اور شعر تو کیا خوب چن کر لکھا ہے اسلام کے گلشن کی جان دے کر حفاظت کرتے ہیں بہت خوب واقعی سچ کہا۔۔۔۔"

ملتی ہے بس کام یابی دین وطن کی محبت میں
ہوجاتے ہیں جو غازی و شہید ان راہوں میں
رہتے ہیں وہی ماؤں بہنوں کی دعاؤں میں
بن جاتے ہیں وہ ہیرو قوم کی بھی نگاہوں میں

حمنہ نے ہانی کو داد دی اور تقریر کی فرمائش کی تو ہانی شیٹ کو فولڈ کرکے مائک کے انداز میں پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"گرامی قدر اساتذہ اور میرے عزیز ساتھیو !

"6 ستمبر ہماری تاریخ کے ان خاص دنوں میں سے ایک ہے، جسے ملک پاکستان کی عوام تو عوام دشمن بھی بھول کر بھلا نہیں سکتا، یہ وہ دن ہے جب دشمن اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ ملک پاکستان کو تباہ کرکے یہاں کی عوام کو اپنا غلام بنانے کے خواب سجائے ہوئے تھا، دشمن کے ایک کمانڈر نے تو یہاں تک دعویٰ کیا تھا کہ شام کی چائے نہیں شراب لاہور کے جیم خانہ کلب میں پئیں گے، مگر دشمن نہیں جانتا تھا جس قوم کو وہ غلام بنانے کا خواب بُن رہا ہے، وہاں کے بچے بچے کی رگوں میں وطن کی محبت خون کے ساتھ دوڑتی ہے" اور ہر زباں یہی کہہ رہی تھی کہ:

اے گائے کے پجاریو ! تم نے کس قوم پر حملہ کیا ہے؟ تم نے کس خون کو جوش دلایا ہے؟ تم نے کس ملت کو للکارا ہے؟؟ ہم تو وہ شیر ہیں جو شکار کو دبوچنے کے لیے چند قدم پیچھے لیتا ہے اور پھر ایک ہی وار میں دشمن کو زیر کردیتا ہے۔

ہم تو وہ قوم ہیں جن کے بارے میں اقبال نے کہا:

دشت تو دشت صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

معزز مہمانانِ گرامی ! 6 ستمبر 1965 کو پاکستانی افواج نے دشمن کو ناکوں چنے چبوائے اور نئی تاریخ رقم کی، اس دن قومی دفاع کو مذہبی و اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔

"ماشاء اللہ ہانی ! بہت اچھی تقریر تیار کی ہے، واقعی یہ دن نہ بھلائے جانے والا دن ہے۔ اس دن سوہنی دھرتی کے ایک انچ کی حفاظت کرنے والے عظیم جاں نثاروں کو سلام عقیدت پیش کرنے کا دل کرتا ہے اور سچ کہوں تو حق و انصاف بھی یہی ہے کہ اس دن دفاع وطن کے لیے عزیمت و وفا کی لازوال داستان رقم کرنے والوں سے اظہارِ محبت کرنا

چاہیے، قوموں وملکوں کی تاریخ میں کچھ لمحے بہت اہم ہوتے ہیں، اس وقت اگر وہ قوم قربانی نا دے تو وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ یہ دن بھی ہمارے لیے ایسا ہی ایک دن تھا، اس دن ہماری سلامتی و یک جہتی کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی، اس دن ہمارا مسکن ہم سے چھیننے کی ناپاک کوشش کی گئی، اس دن ہمارا وجود خطرے میں تھا تو اس وقت ہمارے افسروں، جانبازوں، افواج نے اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو شکست سے دوچار کیا اور نئی تاریخ رقم کی۔

جانتی ہو اس دن ہمیں جو یہ کامیابی ملی اس کی اصل وجہ کیا تھی؟" ہانی نے زور سے نفی میں گردن ہلائی، جس پر حمنہ مسکرائی اور ایک بار پھر بولنے لگی۔

"وہ صرف یقین اور مضبوط جذبہ ایمانی تھا، یہ جذبہ ہی ایسی چیز ہے جو کسی مادی طاقت کا محتاج نہیں۔" "حمنہ یار! تمہارا انداز تو بہت اچھا تھا، تم نے بغیر تیاری کیے کیسے یہ سب کہہ دیا؟" ہانی کے لہجہ میں حیرت ہی حیرت تھی اور حمنہ کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ۔

"سچ کہوں تو مجھے بھی پہلے کچھ معلوم نہیں تھا، تمہاری ہی طرح جب کوئی ایسا ایونٹ آتا تھا تو میں بھی جگہ جگہ سے تلاش کرلیا کرتی تھی، مگر مدرسے جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں مجھے یاد کیوں نہیں رہتی تھیں، کیوں کہ دل میں تڑپ نہیں تھی اور جب کسی چیز کے لیے تڑپ نہ ہو تو وہ چیز دل و دماغ میں گھر کیسے کر سکتی ہے، اس لیے سب سے اہم تڑپ اور لگن ہے اور جب کوئی ایسا موقع آتا ہے تو میری معلّمات و اساتذہ بہت ہی اچھے انداز سے ہر بات بتاتے ہیں تو خود ہی محبت پیدا ہوتی جاتی ہے اور وہ چیز اندر اترتی جاتی ہے۔۔۔ اور جس طرح ستمبر میں ملک وملت کی حفاظت کا یہ یادگار واقعہ پیش آیا تھا، اسی طرح نو سال بعد ستمبر ہی میں ایک بہت قیمتی واقعہ پیش آیا جس سے ہماری اکثریت تو ناواقف ہی ہے۔" "بہت قیمتی واقعہ! ایسا کیا ہوا تھا حمنہ! مجھے بھی بتاؤ؟" ہانی کو تجسّس ہوا۔

"ہاں! ضرور کیوں نہیں۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو قرآن وسنت واجماع امت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں، آپ کی امت آخری، آپ پر نازل ہونے والی وحی آخری۔۔۔" "ایک منٹ! تم تو کوئی واقعہ بتا رہی تھیں۔ یہ تو مجھے کیا سب کو معلوم ہے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو اس واقعے سے اس کا کیا تعلق!" ہانی نے فوراً درمیان میں روک کر بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"ارے بہت گہرا تعلق ہے، اس بات پر ہمارا ایمان ہے نا کہ نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔" "ہاں بالکل ہے۔" ہانی نے فوراً دل سے اقرار کیا۔

"مگر یہ بات کفار سے ہضم نہیں ہوئی اور ایک جھوٹے، مکار، لالچی و غلیظ شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو تاجِ دارِ ختم نبوت کے تخت و تاج پر نقب لگانے کے لیے چنا، یہ لمحہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی آزمائش تھا، کیوں کہ اس فتنۂ قادیانیت کو انگریز کی مکمل سرپرستی اول روز سے حاصل رہی ہے، اس وقت علمائے حق نے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھایا اور اس کے خلاف علامہ انور شاہ کشمیری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہما جیسے جید علمائے کرام نے خوب جد و جہد کی۔ علامہ اقبال مرحوم کو جب ان کا مکروہ چہرہ نظر آیا تو حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، مگر جسے انگریز نے ہی کاشت کیا ہو اسے وہ کیوں اکھاڑ سکتا تھا۔ خیر! قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں نے ایک بار پھر اپنی سرگرمیاں تیز کیں جس پر ملک بھر میں 1953 میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی۔ اس تحریک کو بظاہر کچل دیا گیا، ہزاروں شہادتیں ہوئیں، مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہر مسلمان کے دل میں اور رگ و ریشے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیوست ہو گئی اور ہر ایک کی زبان پر ختم نبوت زندہ باد کا ہی نعرہ تھا۔ حمنہ سانس لینے کو رکی تو ہانی فوراً بول اٹھی۔ پھر، پھر کیا ہوا؟؟ کیا وہ تحریک دوبارہ اٹھی؟" "ہاں ہانی! وہ تحریک شروع بھی ہوئی، کامیاب بھی اور اس تحریک کے دوبارہ شروع کرنے کے پیچھے بھی ایک واقعہ ہے۔

ملتان نشتر کالج کے طلبہ اور قادیانی طلبہ کے درمیان انتخابات ہوئے۔ مسلمان طلبہ کامیاب ہوگئے تو پورا ہال نعرہ ختم نبوت زندہ باد سے گونج اٹھا۔ اب جب یہی نشتر کالج کے طلبہ سیر کے لیے پشاور جا رہے تھے تو ٹرین چناب نگر اسٹیشن پر رکی، وہاں قادیانی لٹریچر تقسیم کیے، جس پر طلبہ مشتعل ہوئے اور ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

ہانی نے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں کہا تو حمنہ نے فوراً آمین کہا اور اپنی بات دوبارہ شروع کر دی۔ قادیانیوں کو اس بات پر بہت غصہ آیا اور ان طلبہ کی واپسی 29 مئی 1974 کو تھی قادیانی غنڈے پوری تیاری سے آئے اور مسلمان طلبہ کو شدید زخمی کر دیا۔ ملک بھر میں قادیانیت کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور پھر تمام مسالک کے علمائے کرام کا اجتماع ہوا اور قادیانیت سے مکمل بائیکاٹ رکھا گیا۔ اس تحریک کے قائد علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ تھے، کچھ سازشی لوگوں نے بنوری صاحب کو بدنام کرنے کی بہت کوششیں کیں، مگر ناکام رہے اور انھوں نے اپنی پوری توجہ تحریک کو موثر اور کامیاب بنانے پر مرکوز رکھی، چناں چہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ قادیانی مسئلے کا فیصلہ 7 ستمبر 1974 کو کیا جائے گا۔"

پھر قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ پر غور کرنے کے لیے دو ماہ میں ہی اٹھائیس اجلاس اور چھیانوے گھنٹے نشستیں کیں۔ مسلمانوں کی طرف سے "ملت اسلامیہ کا موقف" نامی کتاب پیش کی گئی اور قادیانیوں نے اپنے موقف پر مبنی کتابچے پیش کیے۔ ربوہ جماعت کے سربراہ مرزا ناصر اور لاہوری گروپ کے سربراہ مرزا صدر الدین پر جرح ہوئی اور قومی اسمبلی کے اتفاق اور ان سب نشستوں اور جراح و بیانات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوا یعنی۔۔۔

"مرزا قادیانی کو کافر کہہ دیا گیا۔" ہانی نے حمنہ کی بات کاٹتے ہوئے جملہ جوڑا۔

"ہاں! ربوی، لاہوری، احمدی قادیانیت کے ان سب گروپوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔"

حمنہ کے ساتھ ساتھ ہانی کے چہرے پر بھی خوشی چمک رہی تھی۔

"واہ یار! تم تو سچ میں علامہ ہو گئی ہو، مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مدرسے والے اتنا سب کچھ جانتے ہیں۔ ان کے پاس معلومات اور علم کا خزانہ ہوتا ہے۔" ہانی نے کھل کر اقرار کیا تھا۔

"اچھا بس! مکھن کی دکان! یہ بتاؤ یہ مکھن کس خوشی میں لگ رہا ہے۔" "نہیں، سچ میں اس بار کوئی مکھن نہیں لگا رہی پورے دل سے تعریف کر رہی ہوں۔" "بس میڈم! بہت تیاری ہو گئی، رٹے سے کچھ نہیں ہوتا۔ چلو چل کر خالہ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔" حمنہ نے ہانی کو ساتھ گھسیٹتے ہوئے کہا تو دونوں ہی مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چل پڑیں۔

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

سجدۂ شکر

نشا وقار

"دادا ابو! آج صبح سے ٹی وی پر ملی نغمے کیوں آرہے ہیں؟ آج 14اگست تو نہیں ہے۔" دس سالہ عمر نے دادا ابو سے سوال کیا۔یہ نغمہ اس کے کان میں رس گھول رہا تھا۔

تم ہی سے اے مجاہدو جہاں کا ثبات ہے
تمہاری مشعلِ وفا فروغ شش جہات ہے

"بیٹا! آج 6 ستمبر ہے۔" "جی دادا ابّو، مجھے پتا ہے آج 6 ستمبر ہے، لیکن آج نغمے کیوں آرہے ہیں، نغمے تو 14اگست پر آتے ہیں نا!" "یعنی آپ کو نہیں پتا 6 ستمبر 1965 کو کیا ہوا تھا؟" دادا ابّو نے ٹی وی بند کرکے ریموٹ ایک طرف رکھا۔

"دادا ابو! کیا اس دن پاکستان دوبارہ بنا تھا، جیسے 14 اگست کو بنا تھا؟" عمر نے معصومیت سے سوال کیا۔

"ابو بکر! کیا تمہیں بھی نہیں معلوم 6 ستمبر 1965 کو کیا ہوا تھا؟" دادا نے عمر کے بڑے بھائی ابو بکر سے پوچھا۔ابو بکر نے حال ہی میں میٹرک کا امتحان دیا تھا۔"جی دادا ابّو مجھے پتا ہے، آج یومِ دفاعِ پاکستان ہے۔" ابو بکر نے عمر کو دیکھ کر یوں فخریہ انداز میں فرضی کالر جھاڑے، جیسے یومِ دفاعِ پاکستان کے لیے اس نے کوئی بہت ہی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔"جیتے رہو" دادا ابّو نے خوش ہو کر ابو بکر کی کمر تھپتھپائی۔"یہ یومِ دفاع کیا ہوتا ہے بھائی!" عمر کی بات پر ابو بکر نے سٹپٹا کر دادا ابّو کو دیکھا، جو اسے محبت پاش نظروں سے ایسے دیکھ رہے تھے، جیسے ابو بکر 6 ستمبر کے حوالے سے عمر کو بہت اچھے سے سمجھا دے گا۔"وہ وہ مم مجھے نہیں پتا یومِ دفاع کا کیا مطلب ہے اور اس دن کیا ہوا تھا۔بس اتنا پتا ہے کہ ہر سال 6 ستمبر کو یومِ دفاعِ پاکستان منایا جاتا ہے".ابو بکر شرمندہ شرمندہ سا بولا۔اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عمر اچانک اس سے یومِ دفاع کے بارے میں پوچھ کر دادا کے سامنے یوں شرمندہ کروادے گا۔

"مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ہماری تاریخ کے اتنے بڑے دن سے ہماری نئی نسل ناواقف ہے۔6 ستمبر 1965 کی شب انڈیا نے پاکستان پر حملہ کیا تھا۔جنگ ہوئی تھی اس دن... کتنے شہیدوں کے خون سے رنگا ہے یہ دن... اور آپ لوگوں کو پتا ہی نہیں ہے کچھ... افسوس صد افسوس... دادا کو افسردہ دیکھ کر دونوں بھائی شرمندہ ہوگئے۔" دادا ابّو ہمیں بتائیے نا اس دن کے بارے میں کہ کیا ہوا تھا۔" دونوں بھائی دادا ابّو کے قریب ہی بیٹھ گئے۔" 6 ستمبر کی شب انڈیا نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔انڈیا جدید اسلحے سے لیس اور جنگ بھی غیر اعلانیہ کی گئی تھی، وہ بھی رات کے اندھیرے میں! اس وقت میں پندرہ برس کا تھا اور جذبہ حبُ الوطنی مجھ میں بھی باقی نوجوانوں کی طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔" دادا ابّو نے ایک نظر دونوں بھائیوں پر ڈالی جو بہت شوق سے دادا کے کہے ایک ایک لفظ کو بغور سن رہے تھے۔"دادا ابّو آپ نے دیکھی ہوگی یہ جنگ، ہمیں بتائیے کیسی جنگ تھی۔" "عمر بیٹا! جنگ جیتنے کے لیے اسلحے سے زیادہ ہمت، بہادری اور ولولے کی ضرورت ہوتی ہے...جو الحمدللہ! پاکستانی قوم کی رگوں میں خون کی طرح شامل ہے...اور مسلمان تو ویسے بھی بزدل نہیں ہوتے وہ اپنے زورِ بازو پر بھروسا کرکے جب اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلتے ہیں تو اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے اور فتح ان کا مقدر بنتی ہے۔" شاعر نے شاید یہ شعر اسی مقصد کے لیے کہا ہے...

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے: پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یاد رہے مسلمان راہِ حق کے لیے جب بھی نکلے ہیں، ہمیشہ نصرت نے ان کے قدم چومے ہیں۔انھیں موت کا خوف نہیں ہوتا کیوں کہ وہ جانتے ہیں حق کی راہ میں مرنے والے کبھی مرتے نہیں بلکہ شہید ہوتے ہیں اور شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے
لہو جو ہے شہید کا، وہ قوم کی زکاۃ ہے

"سر پر کفن باندھ کر جب فرزندانِ اسلام دشمن کے سامنے جاتے ہیں تو دشمن کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ 6 ستمبر 1965 کی جنگ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔جب بھارت کی تقریباً ایک لاکھ فوج نے بزدلوں کی طرح رات کے اندھیرے میں بغیر کسی اعلان کے بین الاقوامی بارڈر لائن پار کرکے پاکستان پر یہ سوچ کر حملہ کردیا کہ پاکستانی فوج اس وقت خواب وخرگوش کے مزے لے رہی ہوگی، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا سامنا کس قوم سے پڑا ہے۔دادا ابّو کے لہجے میں ایک فخر تھا پاک فوج کے لیے جب کہ عمر اور ابو بکر بہت غور سے دادا ابّو کی باتیں سن رہے تھے۔۔۔بھارتی جرنیلوں نے منصوبہ بنایا تھا کہ وہ صبح کا ناشتا لاہور میں کریں گے اور بھارتی ٹینک اس وقت کے بھارتی وزیر اعظم لال بہادر شاستری کو سلامی دیں گے، لیکن!!۔۔۔بھارت کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔۔۔ پاک فوج اتنی دلیری سے لڑی کہ تعداد میں زیادہ اور جدید اسلحے کے باوجود بھارتی فوج ناکام ہوئی۔سیالکوٹ کے علاقے چونڈہ کے مقام پر بھارتی فوج لگ بھگ چھ سو ٹینکوں کے ساتھ طاقت کے نشے میں چور سیالکوٹ میں گھس آئی تھی۔یاد رہے! دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی فوج اتنی بڑی تعداد میں ٹینکوں کے ساتھ رات کے اندھیرے میں بغیر کسی جنگی اعلان کے

اس حملہ کردے، لیکن انڈیا یہ بھول گیا تھا کہ اس نے جس قوم کو للکارا ہے، اس کا بچہ بچہ جامِ شہادت کے شوق میں سر پر کفن باندھے پھرتا ہے اور یہاں تو پاک فوج ان کے مقابل تھی۔ پاک فوج نہ تو تعداد میں زیادہ تھی اور نہ ہی پاک فوج کا اسلحہ ہندوستانی فوج جیسا تھا، لیکن جوشِ ایمانی اور جذبہ حبُّ الوطنی بے مثال تھا۔ پاک فوج انتہائی بہادری سے لڑی اور دشمن کے پینتالیس ٹینک تباہ کردیے اور کافی تعداد میں ٹینک اپنے قبضے میں لے کر بھارتی فوج کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا۔ صرف پاکستانی فوج کی بہادری قابلِ تعریف نہیں ہے، بلکہ ہمارے عوام بھی محاذوں پر پاک فوج کے ساتھ ڈٹ کر کھڑے تھے۔ جذبۂ شہادت سے سرشار کچھ محبِّ وطن جوان اپنے جسموں پر بم باندھ کر دشمن کے ٹینکوں کے نیچے جاکر لیٹ گئے۔ پوری قوم فوج کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ حکومت اور فوج کے حکم پر آبادی والے علاقوں میں ایک موم بتی جلانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اپنی مدد آپ کے تحت محلے کے جوانوں نے اپنی اپنی ٹیمیں بنالی تھی، جو رات رات بھر محلوں میں پہرا دیا کرتی تھی، یہ جوان چندہ جمع کرتے، کھانے اور ضرورت کی دوسری چیزیں جمع کرکے فوجیوں تک پہنچاتے، عورتوں نے اپنے پورے پورے زیور بچیوں کی شادیوں کے لیے اکٹی کی ہوئی جمع پونجی سب پیارے وطن کی سلامتی کے لیے پیش کردی تھی، میں بھی جوانوں کی ایک ٹیم میں شامل تھا۔" "کیوں دادا اندھیرا کیوں کروایا جاتا تھا رات کو؟ اندھیرے میں لوگ ڈرتے نہیں تھے؟"

"بیٹا! اس وقت صرف اور صرف ایک جذبہ تھا عوام میں جو ہر جذبے اور احساس اور تکلیف پر بھاری تھا کہ ہمیں یہ جنگ جیتنی ہے ہر حال میں ہم رہیں یا نہ رہیں، لیکن اس پاک دھرتی کو ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ ہمارے پیارے قائداعظم اور ان تمام شہدا کی امانت ہے ہمارے پاس، جنھوں نے اس کے حصول کے لیے جدوجہد کی، قربانیاں دیں اپنی جان و مال، عزت سب اس پاک دھرتی کے حصول کے لیے داؤ پر لگادی۔ یہ ہمارے بزرگوں کا ہمارے لیے ایک نایاب تحفہ ہے، جسے رمضان المبارک کی 27ویں شب کو اللہ رب العزت نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اب یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں۔" دادا ابّو نے عمر کی بات کا جواب دیتے ہوئے ایک نظر دونوں پر ڈالی اور کہا: "تم اندھیرے سے ڈرنے کی بات کرتے ہو، ہم تو وہ قوم ہیں جب بھارتی لڑاکا طیارے پاکستان کی پاک فضاؤں میں داخل ہوتے تھے، اس وقت سائرن بجتا تھا کہ سب لوگ محفوظ مقامات پر پہنچ جائیں، سیڑھیوں کے نیچے پناہ لے لیں یا خندقوں میں چلے جائیں، ہم نوجوانوں کی یہ ذمے داری تھی کہ سب کو محفوظ مقامات پر پہنچائیں، لیکن!!!... جیسے ہی پاک فضائیہ کے طیارے دفاع کرنے کے لیے اڑان بھرتے ویسے ہی عورتیں، بزرگ، بچے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے چھتوں پر پہنچ جاتے، میدانوں میں نکل آتے، اللہ اکبر اللہ اکبر کے نعروں سے ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر سے پوری فضا گونج اٹھتی تھی، بھلا جو قوم گولہ باری سے نہ ڈری، وہ اندھیرے سے یا مچھروں سے کیا ڈرے گی۔" دادا ابّو نے عمر کو پیار سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت عمارتوں کو پیلے اور کالے رنگ سے رنگ دیا گیا تھا، تاکہ دشمن آبادی سمجھ کر بم باری نہ کرسکے۔ اس وقت فوج اور حکمرانوں کی عقل مندی سے دشمن کے زیادہ تر بم سمندروں اور جنگلات میں گر کر تباہ ہوئے۔۔۔ فوج کی بہادری کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ لاہور کے محاذ پر صرف ایک سو پچاس سپاہیوں کی ایک کمپنی نے بارہ گھنٹے تک ہندوستان کی ڈیڑھ ہزار فوج کو روکے رکھا اور ہماری پچھلی فوج کو دفاع مضبوط کرنے کا اور جنگ کی تیاری کا بھرپور موقع دیا۔ لاہور کے ایک اور جنگی محاذ پر میجر عزیز بھٹی پہرا دے رہے تھے۔ وہ اس وقت لاہور سیکٹر کے علاقے برکی میں کمپنی کمانڈر تعینات تھے۔ میجر عزیز مسلسل پانچ دن تک بھارتی ٹینکوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹے رہے اور بالآخر 12 ستمبر 1965 کو بھارتی ٹینک کا گولہ چھاتی پر کھایا اور جامِ شہادت نوش کرگئے۔ انہیں ان کی بہادری پر نشانِ حیدر سے بھی نوازا گیا۔" دادا ابّو سانس لینے کے لیے رکے تو دیکھا کہ کمرے میں صرف عمر اور ابوبکر نہیں تھے، بلکہ گھر کے سب لوگ کمرے میں بیٹھ کر بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ عمر کی امّی جان سب کے لیے چائے اور گرما گرم پکوڑے بھی وہیں لے کر آگئی تھیں۔ بارش کی ہلکی ہلکی پھوار نے موسم کو بہت خوش گوار بنادیا تھا۔ "پتا ہے بچو! ہماری پاک فضائیہ بھی کسی سے کم نہ تھی، محمد محمود عالم (ایم ایم عالم) کا نام تو سنا ہوگا تم لوگوں نے! اس مردِ مجاہد نے 7 ستمبر 1965 کو پانچ بھارتی طیارے ایک منٹ سے کم وقت میں مار گرائے۔ یہ گنیز بک ورلڈ ریکارڈ کے مطابق ایک منٹ میں سب سے زیادہ طیارے مار گرانے کا ریکارڈ ہے، جو آج تک کوئی نہ توڑ سکا۔ اس طرح پانچ منٹ میں ایم ایم عالم نے نو بھارتی طیارے جہنم وصل کیے۔۔۔ بھلا ایسے موقع پر ہماری پاک بحریہ کیسے پیچھے رہ سکتی تھی۔ آبدوز "غازی" بھارت کی بڑی بندرگاہ کے سامنے ڈٹ کر کھڑی رہی۔ اسی بندرگاہ میں بھارت کے تینوں بڑے جہاز "رانا"، "رنجیت" اور "میسور" بھی کھڑے تھے، مگر غازی کی دھاک ان کے دلوں پر ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ کوئی بھی باہر نہ آیا۔ ویسے تو پاک بحریہ اور پاک فضائیہ کے اس جنگ کے حوالے سے بہت سے کارنامے ہیں۔۔۔ اب چوں کہ مغرب کا وقت ہو رہا ہے تو اس گفتگو کو یہیں ختم کرتے ہیں۔" عمر کے ابّو جی نے جب دادا ابّو کو تھکا تھکا دیکھا تو انیں ہاتھ کے اشارے سے آرام کرنے کا کہا اور باقی کی معلومات بچوں کو فراہم کرکے نماز مغرب کے لیے مسجد کی طرف چل دیے۔ ان کے پیچھے پیچھے ابوبکر اور عمر بھی ہلکی ہلکی بارش کے پھوار سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسجد میں داخل ہوگئے، آخر سجدۂ شکر بھی تو ادا کرنا تھا۔۔۔!!

بلاعنوان

آمنہ بخاری

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 اکتوبر ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

کچی پکی گلیاں، کچی اینٹوں سے بنے گھر اور ہر طرف لہلہاتے کھیت اس گاؤں کو قدرتی خوب صورتی بخشتے ہوئے تھے۔ یہ سعدیہ اور نوشابہ کا گاؤں تھا۔ وہ دونوں چچازاد بہنیں اور ہم عمر تھیں۔ ان کے گھر ایک ہی گلی میں تھے، اس لیے وہ ایک ساتھ اسکول جاتیں اور واپس آتی تھیں۔ اسکول میں ایک درخت کے نیچے چٹائیاں بچھی تھیں، وہاں دوسری جماعت بیٹھی تھی۔

"آج کیا لے کر آئی ہو؟" سعدیہ نے نوشابہ کے ٹفن میں جھانکتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"آج بھی چھولے ہیں۔" نوشابہ نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا تو سعدیہ چُپ ہو گئی تھی۔ نوشابہ کے ابو چاول چھولے کی ریڑھی لگاتے تھے، اس لیے وہ اکثر چھولے لے کر آتی تھی۔

"اچھا منہ نہ بناؤ۔ یہ دیکھو چینی والا پراٹھا بنوا کر لائی ہوں، یہ تم کھالینا۔ ویسے بھی مجھے پراٹھا اچھا نہیں لگتا۔" سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو نوشابہ کا چہرہ کھِل اُٹھا تھا۔

آدھی چھٹی ہوئی تو سب بچیوں نے اپنے اپنے ٹفن کھولے اور کھانا کھانے لگیں۔ سعدیہ نے اپنا ٹفن نوشابہ کو دے دیا اور اس کا ٹفن لے کر جماعت سے باہر نکل گئی۔ نوشابہ بھی چپکے سے اس کے پیچھے چلی گئی تھی۔ سعدیہ اسکول کی راہ داری میں گئی اور ایک اینٹ اٹھا کر اسے ہاتھ سے اچھی طرح صاف کیا تھا۔ ٹفن سے روٹی نکال کر اس پر سارے چھولے رکھ دیے تھے۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" نوشابہ نے حیرت سے سوال کیا تھا۔

"روٹی رکھ رہی ہوں، پرندے کھا جائیں گے۔"

سعدیہ نے پیچھے مُڑ کر نوشابہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا اور مسکرانے لگی تھی۔ اس کی بے وجہ مسکرانے کی عادت سے نوشابہ کو غصہ آتا تھا، پھر بھی وہ مسکرا کر ہی بات کیا کرتی تھی۔

جماعت میں واپس آ کر سعدیہ اُس طرف منہ کر کے بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد پرندے وہاں اُترتے دکھائی دیے تو وہ خوش ہو کر اپنا سبق پڑھنے لگی تھی۔ سعدیہ اب روزانہ اپنا کھانا پرندوں کو کھلاتی اور خود بھوکی رہتی تھی یا پھر نوشابہ کے ساتھ ایک دو نوالے کھا لیا کرتی تھی۔ کافی سال اس طرح گزر گئے تھے۔ اب وہ شہر کے اسکول میں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھیں اور پردہ بھی کرنے لگی تھیں۔

مئی کا آخری ہفتہ تھا۔ اسکول کی چھٹی ہوئی تو شدید گرمی میں پسینے سے شرابور، وہ دونوں بڑی سڑک پر رکشے سے اتری تھیں۔ اب انھیں ایک کلومیٹر پیدل چلنا تھا۔ پیاس کی وجہ سے ان کے حلق میں کانٹے اُگ آئے تھے۔

"آج میں تمھارے گھر چلوں گی۔ امی نے کہا تھا چھٹی کے وقت سعدیہ کے گھر آ جانا۔ انھوں نے تمھاری امی کے ساتھ کسی کے گھر جانا تھا۔"

نوشابہ نے ہانپتے ہوئے اسے آگاہ کیا تھا۔

"اچھا چلو پھر مزہ آئے گا۔" سعدیہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"آج اسکول میں پانی ہی نہیں تھا، میں مرنے والی ہوں۔" نوشابہ نے ایک اور بات کی تھی۔

"ہووں! میرا بھی پیاس سے بُرا حال ہے۔ بس جلدی سے گھر آئے اور میں پانی پیوں۔"

سعدیہ نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

انھوں نے آدھا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ ٹیوب ویل کی آواز ان کے کانوں میں پڑنے لگی اور یہ آواز ان کی پیاس کی شدّت کو بڑھا رہی تھی۔ ٹیوب ویل سے نکلنے والی نہر اب ان کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ "دل چاہتا ہے کہ یہ سفید ٹھنڈا پانی ہاتھوں میں بھر کر پی لوں۔" سعدیہ نے ترستے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"لیکن تم عبایا میں ہو اور مجھے پتا ہے تم کبھی نہیں رکو گی۔"

نوشابہ نے جل کر جواب دیا تھا کیوں کہ اسے پتا تھا کہ وہ ان چیزوں پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتی تھی۔

"جب پتا ہے تو پھر جلدی چلو، کہیں گھر تک پہنچتے پہنچتے میں شہید نہ ہو جاؤں۔" سعدیہ نے ہنستے ہوئے کہا تو نوشابہ نے تیز تیز قدم اٹھانا شروع کر دیے تھے۔ کچھ منٹوں بعد وہ گھر کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ دونوں نے دکان میں بیٹھے ہوئے دادا ابو کو سلام کیا اور گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔ نوشابہ کچن کی طرف بھاگی تھی، تاکہ جلدی سے پانی پیے جب کہ سعدیہ کے کانوں میں، بیری کے درخت پر بیٹھے پرندوں کی آوازیں پڑ چکی تھیں۔

"ان کا پانی شاید گرم ہو گیا، اس لیے شور مچا رکھا ہے۔" سعدیہ نے دل ہی دل میں سوچا اور جلدی سے کچن میں داخل ہوئی تھی۔ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور بھاگ کر درخت کی طرف گئی تھی۔ اس نے پرندوں کے برتن کو گرم پانی سے خالی کیا اور اس برتن میں بوتل والا ٹھنڈا پانی ڈالا تھا۔ وہ پانی رکھ کر واپس کمرے کی طرف آنے لگی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو بہت سارے پرندے درخت سے اتر کر پانی کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ وہ خوشی سے مسکرائی اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے عبایا اتارنے لگی تھی۔

"مس حساس تتلی! یہ لو تم بھی پانی پی لو۔ تمھارا بہت احسان ہو گا مجھ پر۔" نوشابہ نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو اس نے ہنستے ہوئے گلاس تھام لیا تھا۔

"پی لیتی ہوں۔تم بھی کیا یاد کرو گی۔" سعدیہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔
"تمہارے دل میں سب کے لیے ہم دردی ہے۔ایک میں ہی تمہاری دشمن ہوں۔صرف مجھ سے ہی لڑتی رہتی ہو۔" نوشابہ نے دکھی ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تھا۔
"عبایا تو اتار دو ورنہ جیتے جی مر جاؤ گی۔" سعدیہ نے اس پر ہنستے ہوئے کہا تھا اور وضو کرنے چلی گئی تھی۔ "ارے یہ کیا کر رہی ہو تم؟"
نوشابہ نے جب دیکھا کہ وہ وضو کر آئی ہے اور اب جائے نماز بچھانے لگی ہے تو اس نے حیرت سے سوال کیا تھا۔
"نماز پڑھنے لگی ہوں اور کیا کر رہی ہوں۔" سعدیہ نے اس سے زیادہ حیران ہو کر جواب دیا تھا۔
"مم مطلب تم نماز بھی پڑھتی ہو؟" نوشابہ نے اپنا ہاتھ سر پر مارتے ہوئے سوال کیا۔
"روز ہی پڑھتی ہوں ساری نمازیں۔کیا تم نہیں پڑھتیں؟" سعدیہ نے جواب دینے کے بعد اس سے سوال کیا تھا۔
"تم نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ تم نماز پڑھتی ہو؟" اب نوشابہ نے اس سے شکوہ کیا تھا۔
"اے لو۔۔۔یہ کوئی بتانے والی بات ہے بھلا؟" سعدیہ نے جائے نماز پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
"امی نے کہا تھا نماز پڑھا کرو، لیکن میں نے کہا سعدیہ نہیں پڑھتی، اس لیے میں بھی نہیں پڑھتی۔جب وہ شروع کرے گی میں بھی تب شروع کروں گی اور تم ہو کہ مجھے بتایا ہی نہیں۔" نوشابہ نے اپنی حیرانی کی اصل بات بتائی۔
"اللہ جی۔۔۔اب مجھے کیا پتا تھا۔چلو اب تو پتا چل گیا، اس لیے تم بھی شروع کر دو۔اب چپ کر و مجھے دیر ہونے لگی ہے۔"
سعدیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر چپ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے نماز کی نیت باندھ لی تھی۔اس دن کے بعد نوشابہ بھی نماز پڑھنے کی کوشش کرتی، لیکن اس کی عادت پختہ نہ ہو سکی، یہاں تک کہ وہ کالج جانے لگی تھیں۔
ایک دن ظہر کی اذان شروع ہوتے ہی نوشابہ کے ابو کو کال موصول ہوئی تو پتا چلا سعدیہ کے ابو کی وفات ہو چکی ہے۔وہ عام سی طبیعت خراب کے پیشِ نظر ہسپتال گئے ہوئے تھے، لیکن کسی کو پتا نہیں تھا کہ اتنی زیادہ طبیعت خراب ہے۔خبر سن کر سارے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔وہ سب لوگ جلدی سے سعدیہ کے گھر پہنچے تھے۔وہاں کچھ لوگ جمع ہو چکے تھے۔نوشابہ نے دیکھا کہ سعدیہ کی امی اور بہنوں کی حالت خراب ہو چکی تھی، لیکن سعدیہ وہاں موجود نہیں تھی۔کچھ دیر بعد وہ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی امی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔نوشابہ کو پُرسکون حالت دیکھ کر بہت عجیب لگا تھا۔ایک بدگمانی اور حقارت نے اس کے دل میں جگہ بنائی تھی۔
"یہ اتنی بے حس لڑکی ہے کہ اسے باپ کے مرنے کا ذرا بھی دُکھ نہیں۔" نوشابہ نے سعدیہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔اتنے میں سب رشتے دار آنے لگے اور سب کی آنکھیں نم تھیں، لیکن کسی نے سعدیہ کی آنکھوں میں ایک آنسو تک نہ دیکھا تھا۔کچھ دیر بعد میت کے آجانے کی خبر دی گئی تو سب کی آہ و بکا میں اضافہ ہو گیا تھا۔نوشابہ کی آنکھیں بھی اپنے عزیز چچا کی وفات پر پُرنم تھیں۔اس نے ایک نظر سعدیہ کی طرف دیکھا کہ شاید اس کا پتھر دِل اب پگھل جائے، لیکن اس کی ویران آنکھیں اب بھی بے تاثر تھیں۔
میت رکھ دی گئی تو سعدیہ اٹھ کر پاس چلی گئی اور چارپائی کی پائنتی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔سب ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے، لیکن کسی نے سعدیہ کو تسلی کا ایک لفظ ہی نہیں کہا تھا۔اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی کسی نے۔
مغرب تک غسل دیا جا چکا تھا،اب نمازِ جنازہ کی تیاری ہونے لگی تھی۔مسجد سے اعلان کی آواز پر پھر سب کی چیخیں بلند ہوئیں تھیں اور کچھ دیر بعد میت کو دفنانے کے لیے گھر سے لے جایا گیا تھا۔سعدیہ کی بے حسی پر ہر آنکھ حیرت زدہ تھی۔جتنے منہ اتنی زبانیں تھیں، لیکن سعدیہ کے دل میں کیا ہے؟ کسی نے سمجھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔اس طرح چھ ماہ گزر گئے تھے اور گھر میں جب بھی کوئی روتا تو سعدیہ انھیں چپ کرا دیتی اور بدلے میں بہت باتیں سنتی تھی۔نوشابہ نے اس سے بات کرنا ترک کر دیا تھا، کیوں کہ باقی لوگوں کی طرح وہ اُس کی نظر میں بھی بے حس ہو چکی تھی۔

***

"تمہارے بابا اب اس دنیا میں نہیں رہے۔"
ہسپتال سے کی گئی فون کال پر بابا کے کزن کی آواز گونجی تو عائذہ کا دل چیر گئی تھی۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُون۔
اس نے کانپتی ہوئی آواز سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر سر جھکا یا تھا۔
ماں، پھوپھی اور بہن نے اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے سنے تو ان کی چیخیں نکل گئی تھیں۔
"اللہ اکبر اللہ اکبر" نزدیکی مسجد سے اذان کی آواز آئی تھی۔
"اللہ۔۔۔۔۔" اس نے آہ بھر کر پورے دل سے اللہ کو پکارا اور وضو کرنے چلی گئی تھی۔
جائے نماز بچھائی اور ظہر کی نماز ادا کرنے لگی تھی۔دکھ کی شدّت سے آنکھیں بھری ہوئی تھیں، لیکن اس نے آنسوؤں کو بہنے نہیں دیا تھا۔
نماز ختم کی تو تسبیح فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پڑھنے لگی۔اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بابا کی مغفرت اور اپنے گھر والوں کے صبر کی دُعا کی تھی۔اس کے بعد وہ سجدہ شکر بجا لائی اور جا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔کافی رشتے دار جمع ہو چکے تھے۔سب کی آہ و بکا اس کا دل چیر رہی تھی، لیکن بس وہ اپنے بابا کا انتظار کر رہی تھی۔اسے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک یاد تھا۔
"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" "بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔"
عائذہ اپنے بابا کے لیے دعائے مغفرت کر رہی تھی۔وہ دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب تھی اور صرف اسی کو اپنی تکلیف بتا رہی تھی۔ہر آنکھ اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی کہ "اس عائذہ کو باپ کے مرنے کا دکھ نہیں ہے۔یہ ظالم، سخت دل لڑکی روئی ہی نہیں ہے۔"
لیکن اس کے کانوں میں اپنے بابا کی آواز گونج رہی تھی۔اس کے بابا ہی اس کی پہلی محبت تھے اور محبتوں کو کھونے کا دکھ محبت والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔اس کی ہر رات تنہائی میں روتے ہوئے گزرتی تھی۔
نوشابہ رسالہ ہاتھ میں لیے اپنی پسندیدہ مصنّفہ فاطمہ نور کا افسانہ پڑھ رہی تھی اور اس میں مرکزی کردار عائذہ اُس کو سعدیہ کی طرح ہی لگ رہی تھی۔یہ افسانہ پڑھ کر نوشابہ کی آنکھوں سے بدگمانی کی پٹی اتر چکی تھی۔اسے سمجھ آ چکا تھا کہ عائذہ کی طرح سعدیہ بھی بے حس نہیں تھی، بلکہ صبر کا مظاہرہ کیا تھا اور اب اس نے اپنی بچپن کی دوستی کو بحال کرنے کے لیے سعدیہ کے گھر جانا تھا۔

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

اجالے کا پیغام

ام محمد عبداللہ

یہ کالے سیاہ اونچے اونچے پہاڑوں کا علاقہ تھا۔ سورج کو ڈوبے وقت گزر چکا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ان پہاڑوں میں جنوں کی بستی تھی، جن بھی ایسے ویسے نہیں بہت ظالم قسم کے جن! دن بھر ہنگامہ کے بعد اب سب سو رہے تھے۔ "زردوس" نامی ایک ننھا جن سو نہیں رہا تھا۔ بستر پر بے چین کروٹیں لیتے لیتے جب وہ بہت تھک گیا تو اٹھ کر صحن میں ٹہلنے لگا۔ "کیا ہوا زردوس بیٹے؟" یہ اس کے دادا تھے جو اس کے ٹہلنے سے اُٹھ گئے تھے۔

"دادا جان! میں بہت پریشان ہوں۔ ہماری بستی میں ہر طرف بدامنی، بے چینی اور افراتفری کا راج ہے۔ کیا اس سب کا کوئی حل نہیں؟ کیا یہ ظلم یوں ہی چلتا رہے گا؟" دادا نے دیکھا وہ بہت دکھی تھا۔

"آپ کو پتا ہے دادا میں کل سیر کرتے کرتے دور نکل گیا۔ وہ انسانوں کی کوئی بستی تھی۔ وہاں بہت سکون تھا، نظم و ضبط تھا، چین اور امن تھا۔ میرا دل چاہا ہم جن بھی ایسے ہی رہنے لگیں۔ دادا کیا یہ ممکن ہے؟"

زردوس کے دادا کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے: "ٹھیک ہے، ہم دونوں مل کر اس بستی میں جائیں گے اور معلوم کریں گے کہ وہاں چین اور امن کیسے قائم ہے؟" دادا مسکرائے تو ننھا زردوس بھی مسکرا دیا۔

***

ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا۔ روشنی پھیلنے لگی تھی۔ پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے ہوئے تھے کہ اچانک آواز آنے لگی:

اللہ اکبر۔۔اللہ اکبر۔۔لا الہ الا اللہ زردوس اور اس کے دادا نے ایک دوسرے کو حیران ہو کر دیکھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اس بستی میں پہنچے تھے کہ یہاں کے امن و سکون کی وجہ جان سکیں۔ ابھی وہ اس آواز پر ہی حیران ہو رہے تھے کہ بستی کے گھروں سے لوگ نکل کر مسجد کا رخ کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے صفیں منظّم ہوئیں اور نماز ادا ہونے لگی۔ باجماعت نماز کا روح پرور منظر اور قرآن پاک کی دل نشیں تلاوت ننھا زردوس آنکھیں پھاڑے سوالیہ انداز میں اپنے دادا کو دیکھنے لگا۔ نماز ادا ہو چکی تو چند بچے ایک چبوترے پر بیٹھ کر پڑھنے لگے۔ معلّم انھیں بتا رہا تھا۔

"پیارے بچو! اسلام کا پہلا رکن توحید و رسالت ہے۔ توحید و رسالت کا اقرار دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول "توحید" کہلاتا ہے، یعنی دل اور زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ زندگی اور موت کا وہی مالک ہے۔ اولاد دینے والا، رزق پہنچانے والا اور نفع و نقصان کا وہی مالک ہے۔ صرف وہی مختارِ کُل ہے، باقی سب عاجز بندے ہیں۔ کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا بزرگ اللہ کی ذات یا صفات اور حقوق و افعال میں اس کا شریک و ہمسر نہیں۔ وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی اکیلا ہے۔ توحید کے برعکس عقیدہ کو شرک کہا جاتا ہے۔

اسلام کے پہلے رکن کا دوسرا حصہ "رسالت" کہلاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے ہر زمانے میں اپنے نبی بھیجے، یہ سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اس سلسلے کے آخری نبی ہیں۔

آپ ﷺ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے نبی و رسول بن کر آئے۔ آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ اگر کوئی نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور دجال ہے اور اس کو ماننے والا کافر مرتد ہے۔

ننھے جن اور اس کے دادا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، بات ان کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ دونوں مسجد سے نکل کر باہر آ گئے۔ انھوں نے دیکھا گھروں میں خواتین بھی نماز ادا کر رہی تھیں۔ "دادا! یہ ان کی عبادت نماز ہے نا!!

مسجد میں نظم و ضبط سے باجماعت نماز پڑھتے یہ کتنے اچھے لگ رہے تھے نا۔ نماز کے متعلق آپ کچھ جانتے ہیں دادا؟" زردوس نے پوچھا۔ وہ اس وقت بستی کے گھروں کی چھتوں پر اڑ رہے تھے۔ نہیں میں تو کچھ خاص نہیں جانتا، مگر آؤ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ گھروں سے ہوتے ہوئے ایک اسکول کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ وہ اسکول کے مرکزی دروازے سے داخل ہوئے اور گھومنے لگے۔ وہ کسی کو بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے، مگر انھیں سب نظر آ رہا تھا اور سنائی دے رہا تھا۔ ایک کمرے سے کسی معلّمہ کے پڑھانے کی آواز آ رہی تھی۔

"میرے بچو! ہم کلمہ گو مسلمان ہیں، ہم پر نماز فرض ہے۔ ہمیں دن میں پانچ مرتبہ مقررہ اوقات میں پاک صاف ہو کر اپنے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اس کے سامنے کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، جھک کر، زمین پر سر ٹیک کر اپنی بندگی کا اقرار کرنا ہے۔ اس سے مدد مانگنی ہے، ہدایت طلب کرنی ہے، ہمیں اللہ کی خوش نودی چاہنے اور اس کی ناراضی سے بچنے کی خواہش کرنا ہے، اس کی کتاب یعنی قرآن حکیم کا سبق دہراتے رہنا ہے۔ اس کے رسول حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی سچائی پر گواہی دینا اور یوم آخرت کو بھی یاد کرتے رہنا ہے۔ آخرت کے دن ہمیں اپنے اللہ کے سامنے پیش ہونا اور اپنے اچھے برے اعمال کا حساب دینا ہے۔" معلّمہ بچوں کو نماز کے متعلق بتا رہی تھیں اور ان سے وعدہ لے رہی تھیں کہ سب بچے نماز کی پابندی کیا کریں گے۔ زردوس جن نے اپنے دادا کی جانب دیکھا۔ "دادا! جب یہ دن میں اتنی مرتبہ اللہ کو یاد کریں گے اور انھیں یہ فکر رہے گی کہ ہمیں اللہ کو اپنے ہر کام کا حساب دینا ہے تو بھلا یہ برے کام کیسے کریں گے؟" زردوس جن کی گول گول لال آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میرا پوتا بہت ذہین ہے۔" دادا نے اس کی کمر تھپتھپائی۔ وہ خود بھی یہ ہی سب سوچ رہے تھے۔

اسکول میں چھٹی ہو گئی تو وہ ایک بار پھر ہوا میں اڑتے بستی کی سیر کرنے لگے۔
"آئیں دیکھتے ہیں اس گھر میں لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں۔"
وہ دونوں ایک گھر کے صحن میں اتر آئے۔ صحن کے ایک طرف لگے بیری کے درخت پر بیٹھ کر وہ گھر والوں کی باتیں سننے لگے۔ صحن میں ایک طرف گھر والے بات چیت میں مشغول تھے۔ "اللہ کا شکر ہے، اس نے ہمیں صاحبِ حیثیت بنایا، اس قابل کیا کہ ہم اس کی راہ میں خرچ کر سکیں۔ ہمارے دلوں میں مال کی نہیں اللہ تعالی کی محبت ہے۔ میرے اور بہو کے پاس سونے چاندی کے جو زیور ہیں، ہمیں ان کا حساب لگا کر بتا دیجیے، ہم پہ کتنی زکوۃ ہو گی اور آپ بھی اپنے پاس موجود مال کا حساب کر لیں تاکہ ہم زکوۃ ادا کر سکیں۔"
سفید کپڑوں میں ملبوس یہ اس خاندان کی بزرگ خاتون تھیں جو گھر کے مَردوں کی توجہ روز مرّہ معاملات سے ہٹا کر زکوۃ کی جانب کروا رہی تھیں۔
"زکوۃ کیا ہوتی ہے دادی جان؟" ان کے گھٹنے سے لگا بیٹھا گول مٹول سا ان کا پوتا پوچھنے لگا۔
"بیٹا جو لوگ مال دار ہوں ان پر اللہ تعالی نے فرض کیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں سے ایک خاص حصہ غریبوں پر خرچ کریں۔" ان معمر خاتون نے پیار سے بچے کو سمجھایا۔
"جی امی جان! ہمارے رشتہ داروں اور ارد گرد کے لوگوں میں تو زکوۃ لینے والا کوئی نہیں، مگر قریبی گاؤں میں ایک بیوہ خاتون ہے، اس کے دو بچے بھی ہیں جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں۔ ان شاء اللہ زکوۃ کی رقم سے میں انھیں نقدی اور اناج کے علاوہ بکریوں کا ایک جوڑا دوں گا۔ امید ہے اس سے ان کی کفالت ہو جائے گی۔"
ان کے بیٹے نے ادب سے جواب دیا۔ جن دادا اور زردوس منہ کھولے اور حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان کی بستی میں تو سود، لوٹ کھسوٹ اور جائز و ناجائز طریقے پر مال ہتھیانے کا رواج تھا۔ یہ کون لوگ تھے جو اپنا مال احساس ذمہ داری اور خوشی کے ساتھ غریبوں کو دینے جا رہے تھے؟
رات ہو چکی تھی۔ زردوس اور اس کے دادا اپنے کالے پہاڑوں میں لوٹ آئے، مگر ان کا دل اسلام کی بستی ہی میں رہ گیا تھا۔ وہ اکثر کلمہ توحید و رسالت، نماز اور زکوۃ پر باتیں کرنے لگے تھے۔
"دادا چلیں نا اسلام کی بستی میں جاتے ہیں۔ وہاں کتنا سکون تھا نا!!"
چند دنوں بعد ننھے جن نے فرمائش کی اور وہ دونوں ایک بار پھر اسلام کی بستی میں پہنچ گئے۔
"جو شخص خوب مال دار ہو، یعنی اپنے گھر والوں کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کے بعد سفر بیت اللہ کا کر سکتا ہو، اس پر حج فرض ہوگا۔ حج زندگی میں ایک بار فرض ہوتا ہے، حج کا بہت ثواب ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "حج مبرور کی جزا جنت ہے۔" (متفق علیہ)
ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "حج کرنے کے بعد انسان گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے، گویا وہ آج پیدا ہوا ہے۔" (متفق علیہ)
امام مسجد لوگوں کو حج کے لیے ابھار رہے تھے۔ زردوس نے دیکھا اسلام کی بستی میں عجیب و غریب جوش پایا جا رہا تھا، جو لوگ حج پر جا رہے تھے، وہ بہت خوش تھے اور جو نہیں جا سکتے تھے، انھیں بہت دکھ تھا اور دعا کر رہے تھے وہ اگلے سال ضرور جا سکیں۔ یہ ماحول دیکھ کر ان دونوں کا دل واپس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا، وہ ان لوگوں کے ساتھ دن بتانے اور سفر کی تیاریاں دیکھنے لگے۔ حج کے دن قریب آنے لگے۔ حاجی مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ زردوس اور اس کے دادا بھی ان کے ساتھ ہی چل دیے۔ حاجیوں نے احرام باندھا، بیت اللہ کا طواف اور حج کے دوسرے کام انجام دینے لگے۔ زردوس اور اس کے دادا یہ سب دیکھتے رہے، حج ختم ہوا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ زردوس اور اس کے دادا بھی کالے پہاڑوں کی طرف واپس آ گئے۔
یہ دونوں اب اکثر چپ رہتے۔ اپنی آبادی کی برائیاں انھیں پریشان کرتیں۔ ہر چند دن بعد زردوس اپنے دادا سے اسلام کی بستی جانے کی ضد کرتا، اس کے دادا خود بھی جانا چاہتے تھے۔ ہر بار دونوں کچھ کچھ دن رہتے۔ اس بار جب وہ اسلام کی بستی گئے تو رمضان کا مہینا تھا۔ بستی والے روزے رکھ رہے تھے۔ بہت سارا وقت تلاوت میں گزارتے، جھوٹ بولنے اور دوسروں کی برائیوں سے بچتے۔ زردوس اور اس کے دادا نے ایک عالم کے بیان میں یہ حدیث سنی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ایمان کی حالت میں اللہ تعالی سے اجر و ثواب کی خاطر روزے رکھے، اس کی سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔" (بخاری، مسلم)
جن دادا نے لوگوں کی باتیں سن کر گہری سانس لی، جبکہ زردوس جن کہنے لگا دادا جان کیوں نہ ہم بھی کلمۂ شہادت پڑھ کر دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ زردوس کی بات سن کر اس کے دادا پہلے چپ رہے، پھر کچھ سوچ کر کہنے لگے: مگر ہم تو جن ہیں اور یہ انسان۔ ہم انسانوں کے رسول پر کیسے ایمان لے آئیں؟ زردوس ان کی بات سن کر بہت دکھی ہو گیا تھا۔ دونوں نیم کے ایک درخت پر بیٹھ گئے۔
دور سے کچھ بچے کھیلتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچہ کہہ رہا تھا کہ میرے ابا کہتے ہیں: "جنوں کا کوئی وجود نہیں۔ یہ تو بس کہانیوں میں ہی ہوتے ہیں۔" بچوں سے اپنا نام سن کر دونوں جن پہلے تو حیران ہوئے، پھر ان بچوں کی باتیں سننے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ایک لڑکا کہہ رہا تھا: میں فجر کے بعد درسِ قرآن میں شریک ہوتا ہوں۔ ہمارے امام صاحب بیان کر رہے تھے جنوں کا ذکر تو قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ زردوس اور اس کے دادا ایک دوسرے کی جانب حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ہمارا ذکر ان کی مذہبی کتاب قرآن میں؟ وہ لڑکا مزید تفصیل بتانے لگا: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپسی پر نمازِ فجر میں قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے تو جنوں کی ایک جماعت کا گزر وہاں سے ہوا اور قرآن پاک کی تلاوت سن کر وہ جماعت مسلمان ہو گئی۔ امام صاحب بتا رہے تھے اس واقعے کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔
بچے تو یہ باتیں کر کے اپنے کھیل میں مشغول ہو گئے، مگر زردوس اور اس کے دادا گہری سوچ میں گم ہو گئے۔
وہ دونوں کافی دیر اسی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے، پھر زردوس دادا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ دیکھ کر زردوس آگے بڑھا پھر دادا کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا: "دادا جان آئیں ہم اسلام اور اس کے ارکان کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور جیسے ہمارے بزرگوں کا ذکر انسانوں کے قرآن میں ہے، ہم بھی اپنے ان بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہیں اور یہی پیغام اپنی قوم کے پاس لے کر جاتے ہیں۔" دادا جان نے مسکرا کر اپنے پوتے کو دیکھا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹے۔" انھوں نے جواب دیا۔ وہ دونوں اب ہواؤں میں تیزی سے پرواز کرتے اپنے سیاہ پہاڑوں کی جانب لوٹ رہے تھے۔ جہاں اجالا ہونے کو تھا۔

قصے قائد کے

فروا مشتاق

"السلام علیکم بچو! کیسے ہیں آپ سب؟" مس نائلہ نے حسبِ معمول کلاس میں داخل ہوتے بلند آواز میں کہا۔

"وعلیکم السلام! الحمدللہ مس ہم ٹھیک ہیں۔" سب بچے یک زبان ہو کر بولے۔

مس نائلہ پڑھائی کے علاوہ دیگر سرگرمیاں بھی کرواتیں اور جیتنے والے کو انعام بھی دیتیں۔

"ماشاءاللہ! آج تو تمام کلاس حاضر ہے۔ کوئی خاص وجہ؟" مس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مس آج یومِ قائد ہے۔ آپ نے کہا تھا ہم قائد ڈے پر ایک سرگرمی کریں گے اور آپ ہمیں انعام بھی دیں گی۔" حمنہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک! تو آج یومِ قائد ہے۔ آج آپ لوگ باری باری قائدِاعظم کی زندگی کا ایک ایک دل چسپ واقعہ سنائیں گے اور جس کا واقعہ سب سے زیادہ دل چسپ ہوا اس کو انعام ملے گا۔ جی رول نمبر 1 حمنہ! آپ بتائیں۔"

حمنہ: "قائداعظم لندن یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، ان کے ایک پروفیسر کو ان کے ساتھ کچھ خاص مخاصمت تھی۔ ایک روز لنچ کے وقت قائداعظم انہی کے ساتھ میز پر کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر پروفیسر نے فقرہ کسا: "مسٹر جناح! تم نہیں جانتے کہ خنزیر اور عقاب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے؟" اس پر قائداعظم نے مکمل پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا:

"پروفیسر! آپ پریشان نہ ہوں، میں اڑ کر کسی دوسری میز پر چلا جاؤں گا۔" پروفیسر یہ جواب پا کر بہت غصے میں آ گئے اور بے عزتی کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ اگلے دن اس نے قائداعظم سے سوال کر دیا کہ "اگر تمہیں راستے میں پڑے دو بیگ ملیں، جن میں سے ایک میں دولت ہو اور دوسرے میں دانائی، تو تم کون سا بیگ اٹھاؤ گے؟"

قائداعظم نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ "دولت۔" اس پر پروفیسر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ میں تمہاری جگہ ہوتا تو دانائی والا بیگ اٹھاتا۔ اس پر قائداعظم فوراً بولے: ہر انسان وہی چیز چاہتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی۔"

"شاباش! بہت اچھے! رول نمبر 2 فاطمہ! آپ سنائیں۔"

فاطمہ: "جب قائداعظم لنکن ان میں پڑھتے تھے۔ وہاں فلسفے کا ایک ملحد پروفیسر تھا، ایک روز وہ قائداعظم سے پے در پے سوالات کر رہا تھا کہ خدا کے وجود کو ثابت کرو۔ قائداعظم نے اس کے سوال کے جواب میں ایسی چیزوں کے متعلق سوال کر دیا جنہیں آج تک کسی نے دیکھا نہیں، مگر وہ وجود رکھتی ہیں، مثلاً سردی اور اندھیرا۔ پروفیسر لاجواب ہو گیا۔

"ماشاءاللہ! جی رول نمبر 3 ہما آپ سنائیں۔"

ہما: "قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تھے، ایک دن برطانیہ کے سفیر نے کہا کہ برطانیہ کے بادشاہ کا بھائی آج پاکستان پہنچ رہا ہے، آپ انھیں لینے ائیرپورٹ جائیے گا۔ قائداعظم نے جواباً فرمایا:

"آپ کے بادشاہ کے بھائی کو ائیرپورٹ لینے چلا جاؤں گا، لیکن کل جب میرا بھائی برطانیہ جائے گا تو آپ کے بادشاہ جارج کو اسے لینے ائیرپورٹ جانا پڑے گا۔" یہ سن کر سفیر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"زبردست! رول نمبر 4 مہوش۔"

مہوش: "ایک دفعہ قائداعظم کے ملازم نے وزیٹنگ کارڈ ان کے سامنے رکھا کہ یہ شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے، اس کارڈ پر نام کے ساتھ لکھا تھا" برادر آف محمد علی جناح۔" قائداعظم نے کارڈ پھاڑ کر ناراضی کا اظہار کیا اور کہلا بھیجا کہ "اس کو کہہ دو اس طرح کبھی میرے نام کا حوالہ آئندہ استعمال نہ کرے۔"

"بہت اچھے! رول نمبر 5 حامدہ۔"

حامدہ: "ایک مرتبہ قائداعظم کے دفتر کا فرنیچر آرڈر کیا گیا جو سینتیس روپے کا تھا، آپ کو دستخط کے لیے بل پیش کیا گیا۔ آپ نے پوچھا اس میں یہ سات روپے کی کرسی کیوں آرڈر کی ہے۔ سیکرٹری نے کہا: سر یہ فاطمہ جناح صاحبہ کے لیے ہے۔ قائداعظم نے سات روپے کاٹ کر تیس روپے کا بل منظور کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر فاطمہ کو کرسی کی ضرورت ہے تو کرسی کے سات روپے فاطمہ سے جا کر وصول کرو، قومی خزانہ نہیں دے گا۔"

"بہترین.. شاباش! جی رول نمبر 6 فرحین"

فرحین: "ایک بار قائداعظم سفر کر رہے تھے۔ سفر کے دوران انھیں یاد آیا کہ غلطی سے ان کا ریل ٹکٹ ملازم کے پاس رہ گیا ہے اور وہ بلاٹکٹ سفر کر رہے ہیں، جب وہ اسٹیشن پر اترے تو ٹکٹ ایگزامنر سے ملے اور اس سے کہا کہ چوں کہ میرا ٹکٹ ملازم کے پاس رہ گیا ہے، اس لیے دوسرا ٹکٹ دے دیں۔ ٹکٹ ایگزامنر نے کہا آپ دو روپے مجھے دے دیں اور پلیٹ فارم سے باہر چلے جائیں۔ قائداعظم یہ سن کر طیش میں آ گئے، انھوں نے کہا تم نے مجھ سے رشوت مانگ کر قانون کی خلاف ورزی اور میری توہین کی ہے۔ بات اتنی بڑھی کہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ٹکٹ ایگزامنر نے لاکھ جان چھڑانا چاہی، لیکن قائداعظم اسے پکڑ کر اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گئے، بالآخر ان سے رشوت طلب کرنے والا قانون کے شکنجے میں آ گیا۔"

"شاباش! جی رول نمبر 7 نعمانہ"

نعمانہ: "قائدِاعظم کے پاس ایک تاجر ایک مقدمہ لے کر آیا اور کہا میں چاہتا ہوں آپ اس مقدمے میں میری وکالت کریں۔ آپ کی فیس کیا ہو گی؟ قائدِاعظم نے کہا پانچ سو روپے فی پیشی لوں گا۔ وہ کہنے لگا: "میرے پاس پانچ ہزار روپے ہیں۔ آپ اسی میں میرا مقدمہ لڑیں۔" قائدِاعظم نے کہا: "ہو سکتا ہے کہ یہ مقدمہ طول پکڑے اور یہ رقم ناکافی ہو۔ بہتر ہے کہ آپ کوئی اور وکیل کر لیں کیوں کہ میں فی پیشی فیس لیتا ہوں۔" وہ مان گیا قائدِاعظم نے تین پیشیوں ہی میں مقدمہ جیت لیا۔ تاجر نے اس کامیابی کی خوشی میں پورے پانچ ہزار پیش کرنا چاہے تو قائدِاعظم نے جواب دیا، "صرف پندرہ سو روپے۔ یہی میرا حق ہے۔"

"شاباش! جی رول نمبر 8 فرزانہ"

فرزانہ: قائداعظم سفر ریل کے دوران اپنے لیے دو برتھ مخصوص کرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی تو جواب میں انھوں نے یہ واقعہ سنایا:

"میں پہلے ایک ہی برتھ مخصوص کراتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے، میں لکھنؤ سے بمبئی جا رہا تھا۔ کسی چھوٹے سے اسٹیشن پر ریل رکی تو ایک اینگلو انڈین لڑکی میرے ڈبے میں آ کر دوسری برتھ پر بیٹھ گئی، چوں کہ میں نے ایک ہی برتھ مخصوص کرائی تھی، اس لیے خاموش رہا۔ ریل نے رفتار پکڑی تو اچانک وہ لڑکی بولی "تمہارے پاس جو کچھ ہے فوراً میرے حوالے کر دو، ورنہ میں ابھی زنجیر کھینچ کر لوگوں سے کہوں گی کہ یہ شخص میرے ساتھ دست درازی کر رہا ہے۔"

میں نے کاغذات سے سر ہی نہیں اٹھایا۔اُس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ میں پھر خاموش رہا۔آخر تنگ آ کر اُس نے مجھے جھنجھوڑا تو میں نے سر اٹھایا اور اشارے سے کہا:
''میں بہرہ ہوں، مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا، جو کچھ کہنا ہے، لکھ کر دو۔''
اُس نے اپنا مدعا کاغذ پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے فوراً زنجیر کھینچ دی اور اسے مع تحریر ریلوے حکام کے حوالے کر دیا۔ اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ دو برتھیں مخصوص کراتا ہوں۔''
''شاباش! سب بہت اچھے واقعات سنا رہے ہیں، مگر جس واقعے کا انتظار ہے، وہ اب تک کسی نے نہیں سنایا۔ میں آپ کو ایک اشارہ دیتی ہوں۔۔۔''اس واقعے کی بدولت ہی ہمیں ایک الگ ملک ملا۔۔۔آزادی ملی۔''
''حیرت ہے، ایسا کونسا واقعہ ہے جو ہماری نظر سے نہیں گزرا سب سوچ رہے تھے۔
''جی! رول نمبر 9 رضوانہ''
رضوانہ: ''ایک بار قائد اعظم محمد علی جناح طلبہ سے خطاب کر رہے تھے، ایک ہندو لڑکے نے کھڑے ہو کر آپ سے کہا کہ آپ ہندوستان کا بٹوارہ کر کے ہمیں کیوں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ آپ کچھ دیر خاموش رہے تو ان لڑکوں نے آپ پر جملے کسنے شروع کر دیے۔ قائد اعظم نے پانی کا گلاس منگوایا، آپ نے تھوڑا سا پانی پیا پھر اس کو میز پر رکھ دیا، آپ نے ایک ہندو لڑکے کو بلایا اور اسے باقی بچا ہوا پانی پینے کو کہا تو ہندو لڑکے نے وہ پانی پینے سے انکار کر دیا، پھر آپ نے ایک مسلمان لڑکے کو بلایا، آپ نے وہی بچا ہوا پانی اس مسلم لڑکے کو دیا تو وہ فوراً قائد اعظم کا جھوٹا پانی پی گیا۔
آپ پھر سب طلبہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''یہ فرق ہے آپ میں اور ہم میں۔''
''شاباش، یہی فرق ہے ہم میں اور دوسرے لوگوں میں۔ جی آگے بتائیے رول نمبر 10 عنبرین''
عنبرین: ''ایک دفعہ قائد اعظم کابینہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ وقت مقررہ پر بہت سے ارکان نہیں پہنچے تھے۔ قائد اعظم نے گھڑی میں وقت دیکھا اور حکم دیا کہ ہال میں سے تمام خالی کرسیاں نکال دی جائیں اور اجلاس کا آغاز کر دیا جائے، حکم پر عمل ہوا۔ بعد میں دیر سے آنے والے تمام اصحاب اور وزرا نے کھڑے ہو کر اجلاس میں شرکت کی۔ ان کھڑے ہونے والوں میں وزیر اعظم لیاقت علی خان بھی شامل تھے۔''
''گڈ.. رول نمبر 11 ماجدہ''
ماجدہ: ''ایک مرتبہ کابینہ کا اجلاس جاری تھا، قائد اعظم سے پوچھا گیا کہ جناب چائے کا وقفہ کب کیا جائے؟ قائد اعظم نے جواب دیا: ''کیوں کیا یہ لوگ گھر سے چائے پی کر نہیں آئے؟ ملک کا خزانہ ملک کے لیے ہے، لوگوں کے چائے کھانے کے لیے نہیں ہے۔''
''شاباش! جی رول نمبر 12 فرحین''
فرحین: ''قائد اعظم جب بیمار تھے تو انھیں ہسپتال لے جا رہے تھے۔ راستے میں ریلوے پھاٹک بند تھا، ابھی ریل آنے میں وقت باقی تھا۔ ان حالات کے پیش نظر ان کے اے ڈی سی جناب عطا ربانی نے کہا کہ پھاٹک کھلوا دیتے ہیں۔ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ انتظار نہیں کر پائیں گے،
مگر قائد اعظم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ قانون سب کے لیے برابر ہے۔ اگر میں قانون پر عمل نہیں کروں گا تو دوسرے بھی نہیں کریں گے۔''
''بہت اچھے ... قانون سب کے لیے ایک جیسا ہے۔ مگر یہ بھی وہ واقعہ نہیں ہے جس کی بدولت آج ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ آپ کی آسانی کی خاطر میں کچھ مزید اشارہ دیتی ہوں۔ آخر ایسی کیا چیز تھی جو قائد اعظم کو سات سمندر پار سے برصغیر لے آئی۔ اس کے پیچھے کیا محرک تھا کہ قائد اعظم ہر شے کو بھلا کر صرف مسلمانوں کی آزادی کی خاطر دنیا کے سامنے ڈٹ گئے؟''
مس کے الفاظ نے کلاس بھر میں ہلچل مچادی۔
''جی رول نمبر 13 نکہت''
نکہت: ''نواب صدیق علی خان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جارج ششم انگلستان کا بادشاہ تھا۔ قائد اعظم اس وقت مذاکرات کے لیے لندن میں موجود تھے۔ ان کو بادشاہ کی طرف سے لنچ کا دعوت نامہ ملا جو کہ اس وقت ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا، مگر قائد اعظم نے یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
وجہ پوچھنے پر جواب دیا کہ یہ رمضان المبارک کا مقدّس مہینا ہے اور اس میں مسلمان روزے رکھتے ہیں۔''
''شاباش! بہت اچھا واقعہ''مس نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا تو کلاس ختم ہونے میں دس منٹ رہتے تھے۔
''جی آخری رول نمبر صدیقہ''
''اوہ۔۔۔آخری رول نمبر آ گیا۔''
''یعنی آج انعام کسی کو بھی نہیں ملے گا۔''
''آخر مس کون سا واقعہ سننا چاہتی تھیں''
''ہم نے تو سب سنا دیے۔۔۔ پھر کون سا رہ گیا۔''
کلاس میں دبی دبی آوازیں ابھر رہی تھیں۔
''مس مجھے یقین ہے، جو میں سناؤں گی یہی واقعہ آپ سننا چاہ رہی ہیں۔''آخری رول نمبر پہ موجود صدیقہ نے اعتماد سے کہا۔
''ارے واہ۔۔۔ تو سنائیں پھر، ہو سکتا ہے آج کی جیت آپ کے نام ہو۔''
پوری کلاس کی دل چسپی بڑھ گئی۔
صدیقہ: ''پاکستان پیپرز پر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ قائد اعظم رحمتہ اللہ نے جاگتی آنکھوں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا تھا۔''
''شاباش! ویری گڈ! صدیقہ اس واقعے کا سارا پس منظر بیان کریں۔''
صدیقہ: ''قائد اعظم نے فرمایا:
ایک رات میں لندن میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں پھر سو گیا۔ دوسرا جھٹکا تیز تھا، پس میں اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر کا جائزہ لیا اور یہ اطمینان کر کے کہ سب ٹھیک ہے، آ کر سو گیا۔ تیسرے جھٹکے نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میں اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ میرا کمرہ خوش بو سے مہک رہا تھا اور میں کسی کی موجودگی محسوس کر رہا تھا میں نے کہا:
آپ کون ہیں؟
جواب آیا: میں آپ کا پیغمبر ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم یہاں سے انڈیا چلے جاؤ، وہاں تحریک آزادی میں مسلمانوں کی رہ نمائی کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔
یہ سن کر میں نے جواب دیا: بہت شکریہ میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم)
''شاباش! آج یومِ قائد سرگرمی کی فاتح ہیں۔ صدیقہ عبداللہ!''
پوری کلاس نے ماشاء اللہ کہا۔
''صدیقہ آپ کو بطور فاتح یہ قلم انعام میں دیا جا رہا ہے جب کہ تمام بچوں کو بہترین واقعات یاد کرنے اور پوری کلاس کو سنانے کے لیے آج تمام بچوں کا لنچ میری طرف سے۔''
''یاہووووووو''مس نائلہ کی بات پہ ساری کلاس میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
تفریح کی اطلاع گھنٹی بجتے ہی تمام بچوں نے کنٹین کی طرف دوڑ لگادی۔

ابابیل

فوزیہ خلیل

مصعب، خزیمہ اور عکاشہ آج کل لاہور آئے ہوئے تھے۔ اُن کا گھر کراچی میں تھا۔ اسکولوں کی چھٹیاں ہوئیں تو وہ لوگ اپنی خالاؤں کے گھر بذریعہ ریل گاڑی لاہور چلے آئے۔

”اُف، کتنا لمبا سفر تھا۔ ہم تو کتنا تھک گئے۔“ مصعب کہہ رہا تھا۔ ”ابھی تو اسلام آباد بھی جانا ہے۔ کئی گھنٹے مزید سفر کرنا ہے۔“ خزیمہ بولا۔ ”اُف! میں تو بہت تھک گیا، اب نہیں ہوتا مزید سفر۔“ عکاشہ نے لیٹتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا؟ تم لوگ بہت تھک گئے؟“ عائشہ خالہ نے بچوں سے پوچھا۔ ”کیا تم لوگ ربیعہ خالہ کے گھر اسلام آباد نہیں جاؤ گے۔“ تینوں خاموشی سے بستروں کی طرف بڑھے۔ ”ہم کوئی سیّاح تھوڑی ہیں، جو سفر کرتے رہیں اور نہ تھکیں۔“ عکاشہ نے نئی کہی تو سب ہنسنے لگے۔

”پتا ہے پرندے انسان سے بڑھ کر سیّاح ہوتے ہیں۔ یہ ننھے ننھے پرندے اتنا سفر کرتے ہیں کہ تم لوگ حیرت زدہ رہ جاؤ۔“ عظمیٰ خالہ نے کہا۔ سب بچے بستروں کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئے۔

”لمبا سفر۔۔۔ پرندے!!“ عکاشہ چونک کر مڑا۔

”ہاں ہاں۔۔۔ پرندے یعنی پر والے جانور خواہ وہ اڑ سکتے ہوں یا نہ اڑتے ہوں، مگر پَر والے جانور پرندے ہوتے ہیں۔“ مریم باجی نے عکاشہ کو حیرت زدہ دیکھ کر کہا۔

”تم لوگوں نے اکثر پرندوں کے غول کے غول اڑتے دیکھے ہوں گے، کچھ پرندے موسم بدلنے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں، جس جگہ موسم بہتر ہوتا ہے اور پھر ٹھیک وقت پر واپس آجاتے ہیں۔“ عائشہ خالہ بولیں۔

”اچھا۔۔۔ کیسی عجیب بات ہے۔“ خزیمہ بولا۔

”ہاں، میں نے قطب شمالی کے ایک پرندے کے بارے میں پڑھا تھا۔ یہ قطبی ابابیل کہلاتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو قطب شمالی اور اس کے ارد گرد کے برفیلے علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔“ ابوبکر بھائی بولے۔

”اچھا۔۔۔ پھر!!“ بچوں نے دل چسپی سے پوچھا۔

”قطبی ابابیل کے بچے جب ڈیڑھ مہینے کے لگ بھگ ہو جاتے ہیں تو یہ انھیں چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ قطب جنوبی کی طرف اُڑ جاتا ہے۔“ عبدالرحیم بھائی نے بات آگے بڑھائی۔

”کیا مطلب۔۔۔ قطبی ابابیل۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اڑ جاتا ہے؟ پھر۔۔۔ پھر ننھے بچے تو مر جاتے ہوں گے؟“ ننھے یحیٰی نے پریشان ہو کر کہا۔

”نہیں نہیں۔۔۔ بچے جب تین ماہ کی عمر کو پہنچتے ہیں تو قطب جنوبی کا رُخ کرتے ہیں۔ یہ بچے غول بنا کر اُڑتے ہیں اور بغیر کسی رہبر یا رہنما کے اتنا طویل سفر کرتے ہیں۔“ فاطمہ باجی بولیں۔

”کتنا طویل سفر؟؟ یہ سفر کتنا لمبا ہوتا ہے؟؟؟“

”قطب شمالی سے قطب جنوبی تک کا سفر کوئی معمولی یا چھوٹا موٹا سفر نہیں ہوتا۔ یہ تقریباً گیارہ ہزار میل کا سفر ہوتا ہے اور ایک سال پورا ہونے سے قبل یہ دوبارہ اپنے وطن یعنی قطب شمالی پہنچ جاتے ہیں۔“ خدیجہ باجی بولیں۔

سب بچے اپنے بڑوں کی حیرت زدہ گفتگو بہت شوق اور دھیان سے سن رہے تھے۔

”اس طرح تو یہ ننھے پرندے ایک ہی سال کی عمر میں تقریباً بائیس ہزار میل کی مسافت طے کر لیتے ہیں۔“ ننھی سارہ نے فوراً انگلیوں پر شمار کر کے کہا۔

”ہاں، بھلا کوئی بھی آدمی اتنا سفر کر سکتا ہے؟؟ جتنا یہ ننھے پرندے سفر کرتے ہیں؟“ حرا باجی بولیں۔

”اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ پرندے وقت پر سفر کرتے ہیں۔ ٹھیک وقت پر لوٹتے ہیں اور خدا کے سوا ان کا کوئی رہ نما نہیں ہوتا!“ زینب باجی نے کہا۔

”مگر ایک بات سمجھ نہیں آئی۔“ ننھی آمنہ نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ”آخر یہ قطبی ابابیلیں اپنی جگہ کیوں نہیں رہتیں؟ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کیوں اڑتی ہیں؟ اور آخر کیا وجہ ہے کہ یہ بائیس بائیس ہزار میل کی سختی برداشت کرتی ہیں؟“ ننھی آمنہ کا سوال سن کر سب نے تائید میں سر ہلایا۔

”سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ بڑے دن کی تلاش میں سفر کرتی ہیں۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی میں 6 مہینے کا دن اور 6 مہینے کی رات ہوتی ہے۔ جب قطب شمالی میں 6 مہینے کی رات ہوتی ہے تو اس وقت قطب جنوبی میں 6 مہینے کا دن ہوتا ہے۔“ سعدیہ باجی بولیں۔

”اچھا تو پھر۔“

”جب یہ قطبی ابابیلیں دیکھتی ہیں کہ قطب شمالی میں طویل رات ہو رہی ہے تو یہ وہاں سے پرواز کر جاتی ہیں اور پھر قطب شمالی میں رہتی ہیں اور جب وہاں سورج ڈوبتا ہے اور وہاں سورج طویل عرصے کے لیے ڈوبتا ہے تو یہ واپسی کے لیے پرواز شروع کر دیتی ہیں۔“ سعدیہ باجی نے بات مکمل کی۔

”یعنی پرندے زیادہ تر سخت موسم یا پھر خوراک کی تلاش کے لیے سفر کرتے ہیں۔“ ننھے احمد نے فوراً نتیجہ نکالا۔

”کیا اس طرح سفر کرنے والے پرندوں میں صرف قطبی ابابیلیں ہی ہیں؟“ ابراہیم نے سوال کیا۔

”نہیں بیٹا!“ عائشہ خالہ بولیں۔ ”الاسکا یعنی شمالی امریکا میں ایک سنہری چڑیا کثرت سے ملتی ہے، وہاں کی شدید سردی میں یہ پرندہ وہاں سے اُڑ جاتا ہے، یہ تقریباً ڈھائی ہزار میل کا سفر طے کرتا ہے اور ہوائی کے جزیروں تک پہنچتا ہے۔ یہ تمام فاصلہ سمندر پر مشتمل ہے۔ یہ سنہری چڑیا لگاتار سمندر پر سفر کرتی ہے، کہیں پر خشکی نہیں ہوتی کہ یہ وہاں رک کر آرام کر سکے اور ظاہر ہے سطح سمندر پر تو پرندہ آرام کرنے سے رہا۔“

”اوہ۔۔۔ تو الاسکا سے جزائر ہوائی تک پہنچنے میں کتنے دن اور کتنے سارے گھنٹے لگتے ہوں گے۔“ بچوں نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں، یہ سب ہمارے رب کریم کے کام ہیں، اُس کی حکمتیں ہیں، اُس نے سب کو تخلیق کیا، تاکہ ہم غور و فکر کریں۔“ عظمیٰ خالہ بولیں اور بچے بستروں پر جانے سے قبل سوچ رہے تھے کہ وہ طویل سفر کر کے آئے ہیں یا یہ ننھے منے پرندے طویل سفر کرتے ہیں۔

پانی کی نعمت

بنت مسعود احمد

وہ نماز پڑھ کر کمرے سے باہر آئی تو کچن سے پانی بہنے کی آواز سنائی دی۔اس نے کچن میں جھانکا تو منزہ کو سیب دھوتے پایا۔پورا نلکا کھول کر وہ ایک سیب دھونے میں مگن تھی۔وہ فوراً منزہ کے پاس آئی اور نلکا بند کیا۔

”بیٹا پانی ضایع نہیں کرتے۔یہ اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔“

”امی میں تو سیب دھو رہی تھی۔“وہ معصومیت سے بولی۔”مگر جتنا پانی آپ نے ایک سیب دھونے میں لگایا ہے،اس سے کم از کم درجن بھر سیب دھل سکتے تھے۔“

”یہ دیکھو!“کرن نے سیبوں کی ٹوکری اٹھا کر سِنک میں رکھی اور ہلکا سا نل کھول کر سیب دھو کر دکھانے لگی۔”اب سمجھ آئی؟کہ پانی کیسے ضایع ہونے سے بچانا ہے۔“

”جی امی!“اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔

”شاباش میری گڑیا۔“

***

”منزہ بیٹی ذرا میری ٹوپیاں اور رومال تو دھو کر ڈال دو۔“اکمل صاحب اپنی چند ٹوپیاں اور رومال پوتی کے حوالے کرکے بولے۔جی دادا جان۔۔۔لائیے،ابھی دھوتی ہوں!اس نے جلدی سے چھوٹے ٹب میں پانی اور سرف ڈال کر بھگو کر رکھ دیے،تھوڑی دیر میں رگڑ رگڑ کر دھوتی گئی اور ایک ایک کرکے الگنی پر ڈال کر آتی رہی۔اس دوران نل سے پانی بہتا رہا۔کرن کسی کام سے صحن میں آئی تو دیکھا منزہ رومال پھیلا کر چٹکی لگا رہی تھی،جبکہ نل یو نہی کھلا چھوڑ رکھا تھا۔

”منزہ بیٹی یہ کیا؟“اس نے آگے بڑھ کر فوراً نل بند کیا اور منزہ کو تنبیہ کی۔

”بیٹی!پہلے نل بند کرو پھر کپڑے پھیلانے جاؤ۔اس طرح تو کتنا پانی بہہ جائے گا۔“

”اوہ امی،سوری!غلطی ہو گئی،دھیان نہیں رہا۔“منزہ شرمندگی سے بولی۔

”بیٹا!پانی کی قدر کرو،نعمت کو ضایع کرنا گناہ ہے،اس کی معافی مجھ سے نہیں اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“

”یا اللہ پاک!میری غلطی معاف کر دیں گے؟“

”بالکل اللہ پاک بہت رحیم و کریم ہے،مگر آیندہ کے لیے عہد کرو کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنی ہے اور پانی کو دھیان سے استعمال کرنا ہے۔اس سے اللہ پاک خوش ہو کر ہم کو مزید نعمتیں عطا فرمائیں گے۔“

”امی!میں اب دھیان رکھا کروں گی اور پانی کو ضایع نہیں کروں گی۔“وہ پُرجوش ہو کر بولی۔

”ہاں بیٹی!عادت ڈالنے سے ڈلتی ہے۔میری عادت بھی آپ کی نانو نے بچپن سے ہی پکی کروائی تھی۔پتا ہے کیسے؟“

”کیسے امی؟“منزہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

”یہ ان دنوں کی بات ہے،جب میرے لیے ابو جی نیا برش لے کر آئے تھے۔میں صبح اٹھ کر بڑے شوق سے برش لے کر واش بیسن کے پاس آئی۔برش دھو کر پیسٹ لگایا اور لگی برش کرنے۔نل یوں ہی بہتا رہا کہ آپ کی نانو نے دیکھ لیا۔“

”کرن بیٹی!یہ کیا؟“وہ فوراً میرے پاس آئیں اور نل بند کیا۔”بیٹی!برش کے دوران نلکا بند رکھنا چاہیے تھا نا،پانی ضایع کرنا اچھی بات نہیں۔“

”جی امی!معاف کر دیں،مجھے خیال ہی نہیں رہا۔“میں شرمندگی سے بولی۔”آیندہ خیال رکھنا۔“ امی نے تنبیہ کی۔

”پھر جب آپ کی نانو وضو کرنے لگیں تو مجھے بھی ساتھ رکھا کہ بیٹی غور سے دیکھو اور سیکھو کہ وضو کا کیا طریقہ ہے اور وضو کے دوران پانی کس طرح استعمال کیا جائے کہ ضایع نہ ہو۔“

”وہ ایک ایک کرکے وضو کے فرائض بھی سکھاتی گئیں اور ساتھ میں پانی کیسے استعمال کرنا ہے،یہ بھی بتاتی گئیں۔ان کا سکھایا سبق میں آج تک نہیں بھولی۔الحمدللہ!“

”کیا وہ طریقہ آپ مجھے بھی سکھائیں گی؟“منزہ نے شوق و تجسّس سے پوچھا۔

”ضرور،کیوں نہیں بیٹی۔“کرن نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

مری دال واپس کرو بھائی منے!

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی

ارے یاد آیا -- وہ دن تھا سنیچر
کہ پہلی پڑھائی کو آئی تھیں ٹیچر
ثنا اور منے کے تھے قاعدے دو
الف با کیے یاد بس حرف دو
ستاتا ہے بھیّا، ثنا رو رہی تھی
وہ آنسو سے ننھا سا منہ دھو رہی تھی
وہ روتے میں کہتی تھی بھائی سے اپنے
مری دال واپس کرو بھائی منے
شرارت سے ہنس کر یہ بولے وہ منّے
تمہاری وہ دال اب تو لے لی ہے میں نے
اگر سر بھی پھوڑو! نہ واپس کروں گا
مری جیب پھاڑو، نہ پھر بھی میں دوں گا
نکالوں گا اس جیب سے دال کو
چھپاؤں گا بستے میں اس مال کو
پڑا کان میں جھگڑا استانی جی کے
وہ حیرت سے بولیں قریب اُن کے آکے
ذرا سی تو ہوگی تمہاری وہ دال
نہیں بھر کے کھائے گا پورا، وہ تھال
میں حلوائی سے اور منگوا کے دوں گی
ثنا، دال کے ساتھ نمکو بھی دوں گی
ثنا اور روئی، مجھے میری دال --
یہی چاہیے، نہ کہ بھر بھر کے تھال
تو ٹیچر یہ بولیں، کہاں پر ہے دال؟
ذرا منے واپس کرو اس کا مال!
جو منّے نے اک جیب میں ہاتھ ڈالا
خفا ہو کے ننھا سا پرزہ نکالا
یہ کاغذ نہیں مانگا تم دال دو!
ثنا کا جو لُوٹا ہے وہ مال دو!!
جو ٹیچر نے غصہ کیا، منے سہمے
ثنا کی خوشی کے تو کیا ہی تھے کہنے!
ثنا بولی یہ ہے، یہی تو ہے دال
چرائی تھی اس نے سپارے سے دال
نکالی جو دال اُس نے، کھانے کی نہ تھی
بہن کے سپارے سے پھاڑی گئی تھی
وہی دال، آتی ہے جو ذال سے قبل
کہ خا حرف لکھتے ہیں جس دال سے قبل
سپارے میں سوراخ تھا قبل ذال
جہاں سے نکالی تھی منّے نے دال
ثنا چپ ہوئی لے کے وہ حرفِ دال
اگر چہ نہ جُڑ پایا وہ حرفِ دال!

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے نسیبہ علوی کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

محمد سائح علی، جامعہ بیت السلام کراچی

محمد حسان کراچی

سمط مشتاق، دہم البغداد اسکول پیر محل

سنینہ بنت عبداللہ، مدرسہ ادارۃ النصیحہ

اقصی سہیل، نہم حاجیانی اسکول کراچی

نسیبہ علوی چہارم کراچی

مریم حسین، نہم الہدی اسکول کراچی

سارہ جنید معہد الخلیل کراچی

پیارے بچو!

6 ستمبر کے بارے میں تو ہم سب جانتے ہی ہیں کہ کتنا اہم دن تھا۔۔۔جب وطن عزیز پر پڑوسی ملک ہندوستان نے رات کی تاریکی میں حملہ کیا لیکن پاک وطن کی فوج اور عوام کے ہاتھوں اسے منہ کی کھانا پڑی۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ ستمبر 1974 میں ایک اور خاص بات بھی ہوئی تھی!

ہماری تاریخ میں 7 ستمبر 1974ء کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نیا نبی آنے والا نہیں یہ ہمارا یقین اور عقیدہ ہے جو ایمان کے لیے لازم ہے۔ مرزا قادیانی جو خود کو نبی کہتا تھا طلبہ نے اسکے خلاف آواز اٹھائی۔۔۔اور تمام مکاتبِ فکر کی اِجتماعی جدوجہد سے 7 ستمبر 1974 کو قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو کافر قرار دیا گیا۔

پیارے بچوں! ہمیں اپنی تاریخ سے دل چسپی رکھتے ہوئے اپنے بڑوں سے معلومات لیتے رہنا چاہیے۔۔۔اس سے ہمیں بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں۔۔۔

ستمبر 2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1: حضرت زینب بنت جحش کے والد کا نام کیا تھا؟

سوال نمبر 2: سورہ حجرات میں بدترین آواز کس کی آواز کو کہا گیا؟

سوال نمبر 3: واسق نمرہ اور عزیز کیوں منہ پھلائے بیٹھے تھے؟

سوال نمبر 4: اباجی نے بکرا کیوں چھپایا تھا؟

سوال نمبر 5: طاہر کو کلاس میں سب کیوں پسند نہیں کرتے تھے؟

جون 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: غار والی رات۔۔۔

جواب نمبر 2: غلطی کے لیے صرف سوری کافی نہیں۔۔۔بلکہ اصل شرمندگی غلطی سدھارنے میں ہے۔۔۔

جواب نمبر 3: چائے کی ٹرے گرنے کی وجہ سے۔۔

جواب نمبر 4: انسان۔۔۔

جواب نمبر 5: دانت کٹکٹا کے اور پروں کو رگڑ کے۔۔

جون 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

میمونہ رشید کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

بلا عنوان کا عنوان

جون 2021 میں ام نسیبہ کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے مانسہرہ سے افراح خان کا عنوان انعامی قرار پایا ہے، انہوں نے عنوان دیا ہے

"میرا گھر کہاں ہے"

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

بے قراریاں عبث

جوہر عباد

ہر کام میں چالاکیاں، مکاریاں عبث
جب لوگ سمجھ جائیں تو عیاریاں عبث

باتوں سے نہیں کرنے سے ہوتے ہیں سارے کام
یوں محفلوں میں بیٹھ کر گفتاریاں عبث

ہر ایک سے ہوتی ہے فرائض کی پوچھ گچھ
پوری نہ کرسکے جو ذمے داریاں، عبث

ماضی کو نہ چھیڑو کہ ماضی ہوا ماضی
یادوں کی راکھ میں دبی چنگاریاں عبث

منزل کی جستجو میں عزم و وفا ہے شرط
رہبر نہیں جو مخلص سالاریاں عبث

اُن سے وفا کرو جو وفا کے ہیں قدر دان
جو بے وفا ہیں اُن سے وفاداریاں عبث

کیوں فکرِ روزگار نے بے چین کردیا
رب پر بھروسا ہے تو بے قراریاں عبث

کرتے ہی رہنا پُر اُمید جہدِ مسلسل
بگڑے ہوئے حالات سے بے زاریاں عبث

دُنیا ہے تنزّل پذیر عارضی جگہ
دنیا کے لیے جو بھی کیں تیاریاں عبث

ظالم کے آگے کلمۂ حق کہنا بھی ہے جہاد
مطلب کے لیے کیں تو طرفداریاں عبث

جاتی نہیں رائیگاں مظلوم کی آہیں
انصاف کر نہ پائیں تو سرداریاں عبث

جو قوتِ بازو پہ کریں اپنے بھروسا
اُن کے لیے ہیں سوچوں کی یلغاریاں عبث
ہمت سے اپنی توڑ دیتے ہیں کڑی چٹان
مشکل پسندوں کے لیے دشواریاں عبث
کتنے بھی ہو محلات غریبوں کی بلا سے
گر دل ہی تنگ ہو تو مالداریاں عبث
ایسے مدد کرو کہ نہ ٹوٹے کوئی بھرم
نیت نہیں خالص تو غمگساریاں عبث
مشکل گھڑی میں ہوتی ہے پہچانِ دوستاں
گر کام نہ آئیں تو رشتے داریاں عبث
خالصتاً رب کی رضا مقصود ہو جوہرؔ
مقصد ہے خودنمائی تو دینداریاں عبث

حمد

انعم توصیف

لفظوں کو اخلاص کے امرت سے میں دھوتی رہی
شان پھر اللہ کی ان سے بیاں ہوتی رہی

اس کی تخلیقات پر میں نے کیا جب فکر و غور
پھر زباں سبحان ربی ہی مری جپتی رہی

چھوڑ کر تنہا مجھے احباب جب سب جا چکے
یاد اس کو ہی کیا، میں یا ولی پڑھتی رہی

تھک کے جب اپنے گناہوں سے کبھی کھولا قراں
آنسو بہتے ہی رہے، لاتقنطوا تکتی رہی

چاہتا ہے مجھ کو ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر
جان کر یہ بات، دل کو خوشی ہی ملتی رہی

امتی محبوبِ ربانی ﷺ کی ہوں، سوچا یہ
خوش نصیبی پر میں اپنی رشک ہی کرتی رہی

گلدستہ

ترتیب و پیش: عبدالرحمن چترالی، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

نبی الرحمہ و نبی الملحمہ

جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقام پر حملہ کرتے اور علی الصباح آفتاب کے وقت جنگ کا آغاز ہوتا تو اس کا ہمیشہ لحاظ رکھتے کہ آفتاب ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ دشمن تمازت آفتاب سے متاثر ہو اور آفتاب ہمارے پیچھے ہو تاکہ جنگ کے وقت آفتاب کی روشنی سے چندھیا کر دشمن سے مقابلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ ایک دوسری چیز یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "موسمیات" (Meteorology) سے بھی دل چسپی تھی۔ ہواؤں کے رُخ کا خاص لحاظ فرماتے کہ دشمن سے جنگ ہو تو ایسے مقام پر ہو کہ ہوا ہمارے پیچھے سے چل رہی ہو، نہ کہ ہمارے سامنے سے آئے اور ہماری رفتار میں رکاوٹ پیدا کرے۔ اس طرح کی بے شمار چیزیں حدیث و سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَأَنَا نَبِيُّ الْمَلْحَمَةِ" یعنی میں رحمت کا بھی نبی ہوں اور جنگ کا بھی نبی ہوں۔ جس کا بعد میں دنیا کے بہترین سپہ سالار کی حیثیت سے مظاہرہ بھی ہوتا ہے اور اس طرح بہترین سیاست دان اور بہترین مدبر کی حیثیت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد کا حصول چاہتے تھے۔ آدمی کا خون بہانا یا دشمن کا خاتمہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نہیں تھا۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کی خطبات بہاول پور سے محمد امجد کا انتخاب)

بزرگوں سے استفادے کی شرائط

مولانا نذر الحفیظ صاحب نے سوال کیا: حضرت بزرگوں سے استفادے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت نے اس کے جواب میں اپنی پوری زندگی کے تجربات کی روشنی میں مختصراً لفظوں میں ایسی بات فرمائی، جس میں پورا خلاصہ آگیا ہے۔ فرمایا: ادب، سکوت، انتظار، حسن استماع، ذہن کو خالی رکھنا، شبہات و اعتراضات سے ذہن کو پاک رکھنا، تنقید نہ کرنا، خاموش رہ کر یہ سمجھنا کہ اللہ ان سے کام کی بات نکالے گا۔

(نذیر احمد نے مجالس علی میاں سے اقتباس بھیجا)

محاورے

- چراغ سے چراغ جلتا ہے: ایک سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔
- دانے کے ساتھ گھن بھی پس گیا: بڑوں کے ساتھ چھوٹا بھی مارا گیا۔
- کہیں گرجیں، کہیں برسیں: ایک کا غصہ دوسرے پر نکالنا۔
- ہانڈی میں جو ہوگا سو ڈوئی میں نکلے گا: جو دل میں ہوتا ہے وہ زبان سے بھی نکلتا ہے۔
- یہ منہ اور مسور کی دال: حیثیت سے کم تر کھانا اور مصیبت اٹھانا۔ مطلب یہ کہ یہ شخص اس خدمت کے قابل نہیں۔

مایوسی کس لیے

چیزیں ہمیشہ ویسی نہیں ہوتیں جیسی نظر آتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے اپنے لخت جگر کو دریا میں ڈالنے کا کہا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ مگر دیکھیں آخر میں ان سب کے لیے نتیجہ کتنا اچھا نکلا۔

اللہ نے ہمیشہ ہمارے لیے اچھا نتیجہ رکھا ہے۔

ہو سکتا ہے ہمارے لیے اسے سمجھنا مشکل ہو اور ہمیں اچھا نہ لگ رہا ہو مگر اختتام ہمیشہ ہماری توقعات سے بڑھ کے اچھا ہوتا ہے۔ بس اللہ پر یقین رکھنا چاہیے۔ تمام طاقت، تمام حکمت، تمام دانائی اسی ایک ذات واحد کو سزاوار ہے!! مایوسی کس لیے۔۔۔؟؟ جب کہ خالق کائنات آپ کے ساتھ ہے۔۔۔۔ (بریرہ فاطمہ کی کاوش)

اشعار

تمام غنچہ و گل داغِ دل بنے کیفی
خزاں نصیب بہاروں سے کیا لیا میں نے
(زکی کیفیؔ)

صد شکر کہ افلاس کی یلغار میں دانش
فاقہ کوئی توہین ہنر تک نہیں پہنچتا
(احسان دانش)

اے گردش زمانہ! مجھے دھمکیاں نہ دے
اُن کے خیال پر ہے مجھے دسترس ابھی
(محمد تقی عثمانی)

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا
(علامہ اقبال)

دیکھ یہ راہِ عشق ہے، ہوتی ہے بس یوں ہی یہ طے
سینہ پر تیر کھائے جا آگے قدم بڑھائے جا!
(مجذوب)

لہو روئیں گی مغرب کی فضائیں
بڑی تیزی سے سورج ڈھل رہا ہے
(حبیب جالب)

وہ تتلیوں کے پروں پر بھی پھول کاڑھتا ہے
یہ لوگ کہتے ہیں اُس کی کوئی نشانی نہیں
(سعود عثمانی)

درم و دام اپنے پاس کہاں
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں
(شیخ محمد ابراہیم ذوق)

لطف ہے کون سی کہانی میں
آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی
(مرزا محمد ہادی رسوا)

غافل تجھے گھڑیال یہ کرتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی
(مولوی قدرت اللہ شوق)

ترا نام لکھا ہے

گمنام فضاؤں میں ترا نام لکھا ہے
خوشبو میں ہواؤں میں ترا نام لکھا ہے
صحرا میں خلاؤں میں تیرا نام لکھا ہے
ہر شہر میں گاؤں میں ترا نام لکھا ہے
موسم تجھی سے ہیں یہ موسم یہ نظارے
گھنگھور گھٹاؤں میں ترا نام لکھا ہے
ہیں تجھ ہی سے منسوب رُتیں ساری چمن کی
ہر دھوپ میں چھاؤں میں ترا نام لکھا ہے
نالوں میں ترے اسم کی دی ہم نے دُہائی
خاموش دعاؤں میں ترا نام لکھا ہے
دنیا کے توسط سے ملی ہے ہمیں دنیا
لیکن ان عطاؤں میں ترا نام لکھا ہے
محمد وجیہ کا انتخاب

فتح مبین

امریکی مزاحمت کی ایک اور چنگاری بجھ گئی۔ استعمار کے دل میں کھٹکنے والا کانٹا مزید پیوست ہوتا چلا گیا۔ واشنگٹن کے قصر سفید میں جلنے والے چراغ گل ہوگئے، کچھ خوں رنگ آنکھوں کی تشنگی سیراب نہ ہو سکی۔ ہمہ وقت شکار کی تلاش میں رہنے والی درندگی کو آسودگی میسر نہ ہو سکی اور وہ پوری چاہت کے باوجود بھی افغانستان کے جری فرزندوں کی نبضیں خاموش کرنے میں ناکام و نامراد رہے۔

سروں میں رعونت کا خناس سما جائے تو ہر زمانے کا فرعون ثابت شدہ صداقتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے سرے سے نئے تجربوں میں لگ جاتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ ماضی کے غرق شدہ فرعونوں کی عقلیں خام تھیں، شاید وہ "فرعونیت" کے ہنر سے پوری طرح آشنا نہ تھے سو بازی ہار گئے۔ لیکن ہم تو ہم ہیں۔

امریکا اسی زعم باطل کی گرفت میں تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میرا اسلحہ خانہ سب سے بڑا ہے۔ میں ہزاروں ایٹم بم اپنی گود میں لیے بیٹھا ہوں جو پورے کرۂ ارض کو بھسم کر سکتے ہیں۔ میرے میزائلوں کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا، میری ٹیکنالوجی زمین پر رینگتی چیونٹی کو دیکھ لیتی ہے۔ یہاں تک کہ دشمن کے دفاع میں ابھرتے خیال کی لہروں تک کو پڑھ لیتی ہے۔ سو مجھے سارے عالم پر فرماں روائی کا حق حاصل ہے۔

امریکا سال ہا سال یہ سمجھتا رہا کہ اس کی ہلاکت آفریں جنگی مشینری سے یہ سادگی کے پیکر، پگڑی والے اس کے مطیع ہو جائیں گے۔ اس کے خون آلود ہاتھوں پر بیعت کر لیں گے اور ان کے دل اس کی محبت و عقیدت کی خوشبو سے مہکنے لگیں گے۔ وہ یہ بھولا ہوا تھا کہ طاقت گردنیں دبوچ سکتی ہیں، دل مٹھی میں نہیں لے سکتی۔ اسے اس امر کا بھی احساس نہیں تھا کہ یہ لوگ گوشت پوست کے انسان ہوتے ہوئے بھی زندگی اور موت کے رسمی تصور سے بے نیاز ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد یہ زندہ تر ہو جاتے ہیں۔

بہر کیف! برسوں کے سفر رائگاں کے بعد اس قوم کے تلووں کے آبلے خارستانوں کی پیاس بجھانے میں کامیاب ہوگئے اور سرزمین افغانستان پر بے داغ سبزے کی بہار نظر آنے لگی۔ اس کی آبیاری کرنے والے اس نظریے کے علم بردار ہیں کہ جب تک فرعونوں کی غلیظ سوچ کا تعفن موجود ہے، جہاد اور مزاحمت کا راستہ اختیار کرنے والے جنوں کیش جنم لیتے رہیں گے۔

عبدالرحمٰن چترالی

14 اگست 2021

بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کوشاں عالمی ادارے بیت السلام کے زیرِ اہتمام

BAITUSSALAM

بچوں کی خوشی دوبالا ہوئی

رپورٹ: خالد معین

14 اگست 2021، جامع مسجد بیت السلام ڈی ایچ اے فیز 4 کراچی: نماز فجر کا وقت ہے اور چھوٹے چھوٹے سینکڑوں بچوں نے مسجد میں بہار کا سماں بنا رکھا ہے۔ بچے تو جہاں بھی ہوں بہار کا ہی سماں ہوتا ہے اور جب بچوں کے چہرے خوشی سے چمک دمک رہے ہوں، تب تو بہاروں کی بھی بہار ہوتی ہے۔ ایک تو 14اگست یوم آزادی کی خوشی اور پھر ان بچوں کی خوشی اس لیے بھی دہری ہے کہ انہیں 40 دن تک فجر کی نماز باجماعت پڑھنے پر انعام میں سائیکل ملنی ہے۔ ان کے ساتھ ان کے والد، بھائی، سرپرست، محلے کی مسجد کے امام صاحب، ان کی مسجد سے وابستہ بیت السلام کے رضاکار بھی ہیں۔ نماز فجر کے بعد حسب معمول حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ کا درس ہوتا ہے اور پھر اس تقریب کا آغاز ہوتا ہے جس کے لیے دور دور سے بچے یہاں پہنچے ہیں۔

جی ہاں! بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے فکر مند و کوشاں عالمی ادارے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کے زیر اہتمام چالیس روزہ آئی ایم مصلی یعنی "میں ہوں اک نمازی" کی آج اختتامی تقریب منعقد ہونا تھی۔ اس عنوان کے تحت بیت السلام ہر سال بچوں میں ایک مقابلے کا اہتمام کرتا ہے۔ چالیس روز تک مختلف شہروں کی منتخب مساجد میں بچے نماز فجر باجماعت پڑھتے ہیں اور بلاناغہ چالیس روز تک اہتمام سے پابندی کرنے والے بچوں کو سائیکل انعام میں دی جاتی ہے۔

اس پروگرام کا مقصد بچوں کی تربیت انہیں مساجد سے جوڑنا اور نماز باجماعت کا شوق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ پہلے مرحلے میں شہروں کا انتخاب عمل میں آتا ہے اور پھر مساجد کی رجسٹریشن ہوتی ہے، پھر مقابلے میں شرکت کے خواہش مند بچوں کی رجسٹریشن کی جاتی ہے۔ اس مرتبہ چھ شہروں کراچی لاہور اسلام آباد فیصل آباد، پشاور اور کوئٹہ کی 80 سے زیادہ مساجد میں ایک ہزار سے زیادہ بچوں نے رجسٹریشن کروائی اور سات سو بچوں نے یکم جون سے دس جولائی تک ہونے والے اس مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔ اختتامی اور انعامی تقریب کے لیے **14 اگست** کا دن رکھا گیا تھا۔ اس موقع پر زندگی کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

پروگرام کی انتظامیہ کی جانب سے **14اگست** کے روز اس تقریب کے اہتمام نے اس پروگرام میں دل چسپی بڑھا دی اور بچوں نے اپنے انعام اور یوم آزادی کی خوشی کو مشترکہ طور پر انجوائے کیا۔ اس موقع پر بچوں کی پرشکوہ سائیکل ریلی کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر بچے کی سائیکل پر پاکستانی پرچم جھنڈی کی شکل میں لہرا رہا تھا۔ پونے سات بجے یہ ریلی شروع ہوئی۔ پروگرام کے اختتام پر اس پروگرام کو کامیابی سے منعقد کرنے والے رضاکاروں کے لیے اہلِ خیر کی طرف سے اکرام کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ایسی ہی تقریب دیگر پانچ شہروں میں بھی منعقد کی گئی۔ جہاں کامیاب بچوں کو انعام ملا۔

J.
FRAGRANCES
555
JAHANGIR KHAN
THE WINNING FRAGRANCE.
JAHANGIR KHAN
555
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

+92 333 4632340 | +92 021 35290156